اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ادارہ

”حدود“ سماجی استحکام کے ضامن ہیں

مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْہُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْکُمْ بِہِمَا رَاْفَۃٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْیَشْہَدْ عَذَابَہُمَا طَآئِفَۃٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۲ (سورۃ النور)

ترجمہ: زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد دونوں کو سو کوڑے لگاؤ اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، تو اللہ کے دین کے معاملہ میں اُن پر ترس کھانے کا کوئی جذبہ تم پر غالب نہ آئے، اور یہ بھی چاہیئے کہ مؤمنوں کا ایک مجمع ان کی سزا کو کھلی آنکھوں دیکھے۔

تشریح: کہتے ہیں کہ اسلامی معاشرتی، سماجی امن واستحکام کے لئے پانچ بنیادوں کا تحفظ ضروری ہے ان میں سے ایک بنیاد بھی کمزور پڑ جائے تو معاشرہ کا امن وسکون داؤ پر لگ جاتا ہے اور معاشرہ ایک قسم کی بدامنی واضطرابی صورت حال سے دوچار ہوجاتا ہے اور وہ پانچ بنیادیں یہ ہیں، عقائد اسلام، خاندانی نسب، عزت وآبرو، ہر شخص کی جان، ذاتی املاک۔ معاشرہ کا ہر فرد یہ چاہتا ہے کہ اس کے عقائد کا بھی تحفظ ہو، نسب بھی محفوظ رہے، عزت وآبرو سلامت رہے، اپنی جان پر کوئی آنچ نہ آئے، املاک بھی اغیار کی بدنیتی سے مامون رہیں۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے مالک ارض وسما نے اس دارِ فانی کو دار الابتلا بنادیا ہے پھر اہلِ دنیا میں خیر وشر کی متضاد قوتوں کو نہ صرف ودیعت فرمایا بلکہ ان دونوں کے ادراک کا بھرپور شعور بھی عطا فرمایا، خیر وشر کے دونوں راستوں کی راہ نمائی فرمادی، کسی ایک راہ کو اپنانے کا اختیار دے دیا، اب آدمی اپنے ذوق کی مناسبت سے دو راہوں میں ایک راہ کو اپنی مرضی سے پسند کرتا ہے، بعض بدقماش راہِ شر پر اس قدر دور نکل جاتے ہیں کہ جرائم ان کا پیشہ بن جاتے ہیں اور بعض خوش نصیب راہِ خیر کے ایسے راہی ہوجاتے ہیں کہ وہ رشکِ ملائک بن جاتے ہیں۔ دنیا میں جرائم پیشہ لوگ جرائم کرتے رہتے ہیں اگر ان کو کھلی آزادی مل جائے تو پورے سماج کا امن وسکون

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہٰذا

غارت ہوجائے گا، اسی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسدادِ جرائم کے لئے ایسی سزائیں متعین فرمائیں جو معاشرہ کے لئے امن کی ضامن، مخلوق پر خالق کی رحمت کا مظہر ہیں، ظالم کے پنجۂ استبداد کو مروڑنے اور مجرمین و مفسدین کو قوی سے قوی تر بننے سے روکنے کا ذریعہ ہیں جن ممالک میں ان سزاؤں کو روبہ عمل لانے کا سلسلہ چل رہا ہے وہاں کے جرائم کا تناسب ان ممالک کے بالمقابل جہاں ان سزاؤں کو انسانیت پر ظلم تصور کیا جاتا ہے نہ قابل یقین حد تک کم ہے۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ شرعی سزائیں معاشرہ کی امن وشانتی کے لئے از حد ضروری ہی نہیں بلکہ وہ موجب رحمت بھی ہیں تو اب یہ جاننا ضروری ہے کہ شرعی سزائیں کیا ہوتی ہیں، واضح رہے کہ اسلامی شریعت میں جرائم کی سزاؤں کی تین قسمیں ہیں ۱) حدود ۲) قصاص ۳) تعزیرات ۔ حدود؛ شرعی اصطلاح میں ایسے جرائم کی سزا کو کہا جاتا ہے جس میں حقوق اللہ کا غلبہ ہو اور اس جرم کی سزا قرآن وسنت اور اجماع نے متعین کردی ہو۔ قصاص؛ اس سزا کا نام ہے جس میں حق العبد غالب ہو، اور اس سزا کو قرآن نے متعین کردیا ہو البتہ حق العبد کے غلبہ کی وجہ سے ولی مقتول کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ قصاص لے یا درگذر کردے، لیکن حدود میں نہ معافی ہے نہ ہی مجرم کی سفارش کرنا درست ہے جو سزا قرآن نے متعین کردی ہے اس کا نفاذ ہوکر رہے گا، ایسے چھ جرائم ہیں: ۱) ڈاکہ، ۲) چوری، ۳) زنا، ۴) تہمتِ زنا، ۵) شراب نوشی، ۶) مرتد ہونے کی سزا۔ البتہ ڈاکو گرفتاری سے پہلے ہی توبہ کرلے اور اپنے معاملات کچھ اس طرح بنالے کہ قلب مطمئن ہوجائے تو اس کی سزا معطل ہوسکتی ہے۔ تعزیرات ان سزاؤں کو کہا جائے گا جس کو قرآن وسنت نے متعین نہیں کیا بلکہ حاکمِ وقت کی صواب دید پر چھوڑ دیا ہو کہ وہ جرائم اور حالات کے لحاظ سے سخت ونرم سزا متعین کرے۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے بندوں میں معصیت وجرائم کی قوت پیدا کی ہے وہیں اللہ تعالیٰ نے انسدادِ جرائم کے لئے تدابیر اور احکامات نازل فرمائے ہیں نسب وعزت وآبرو کی حفاظت کے لئے نکاح کا حکم دیا، زنا اور تہمتِ زنا کو حرام قرار دیا اور اس کے ارتکاب پر سزا خود ہی متعین فرمادی کہ زانی اور زانیہ کو (اگر شادی شدہ نہ ہوں) سو کوڑے لگاؤ اگر شادی شدہ ہوں تو سنگسار کرو، اور تہمتِ زنا کے مرتکب کو اس تہمت کے ثابت نہ کرنے پر اسّی کوڑے لگاؤ، چور کا ہاتھ کاٹو وغیرہ وغیرہ۔

ان حدود کے جاری کرنے میں بہت ساری حکمتیں پوشیدہ ہیں جو اہلِ خرد سے مخفی نہیں ہیں، اللہ نے ایک مختصر سے جملے میں پوری کائنات کے امن کا راز بتلایا ہے ولکم فی القصاص حیوٰۃ تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے اے عقل مندو! اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ جرائم پیشہ افراد کی مثال۔۔۔۔۔ (بقیہ صفحہ: ۱۲ پر)

ہماری بے وزنی کے اسباب

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی مدظلہ *

عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یوشک الامم ان تداعیٰ علیکم کما تداعیٰ الآکلة الیٰ قصعتها، فقال قائل: ومن قلة نحن یومئذٍ؟ قال: بل انتم یومئذٍ کثیر! ولکنکم غثاء کغثاء السیل، ولینزعن اللہ من صدور عدوکم المهابة منکم، ولیقذفن اللہ فی قلوبکم الوهن! فقال قائل: یارسول اللہ! وما الوهن؟ قال: حب الدنیا وکراهیة الموت!

(ابوداؤد، ص:۵۹)

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ وقت قریب آرہا ہے، جب تمام کافر قومیں تمہیں مٹانے کے لئے...مل کر سازشیں کریں گی...اور ایک دوسرے کو اس طرح بلائیں گی جیسے دسترخوان پر کھانا کھانے والے...لذیذ...کھانے کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں، کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہماری قلتِ تعداد کی وجہ سے ہمارا یہ حال ہوگا؟ فرمایا: نہیں! بلکہ تم اس وقت تعداد میں بہت ہوگے، البتہ تم سیلاب کی جھاگ کی طرح ناکارہ ہوگے، یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارا رعب اور دبدبہ نکال دیں گے، اور تمہارے دلوں میں بزدلی ڈال دیں گے، کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! بزدلی سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔"

تشریح: آج کا دور دجالی فتنے اور نئے نئے نظریات کا دور ہے، زمانہ فحاشی وعریانیت کا دلدادہ ہوچکا، ہم جنس پرستی کو قانونی جواز حاصل ہوچکا، ناچ گانے کی محفلیں عام ہوچکیں ہیں، دیکھا جائے تو یہ قرب قیامت کا وقت ہے، اس وقت مسلمانوں سے اللہ کی حفاظت ومدد اٹھ چکی ہے، مسلمانوں کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں، سچی بات یہ ہے کہ یہ اللہ کی ناراضگی، ظاہرداری، چاپلوسی، انانیت، خودپسندی اور امت کے زوال کا وقت ہے، فتنہ و

* استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

فساد عروج پر ہے، خیر سے محروم لوگوں کی کثرت ہے، آج یہود و نصاریٰ کی نقالی کامیابی کی معراج شمار ہونے لگی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایسے لوگوں اور معاشرہ کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا قدر و قیمت ہوسکتی ہے؟ چنانچہ ایسے ہی دور کے لوگوں کے بارے میں حدیث شریف میں ہے:

عن مرداس الاسلمی ﷺ عنه قال النبی ﷺ: یذهب الصالحون الاول فالاول، و تبقیٰ حفالة کحفالة الشعیر او التمر لا یبالیهم الله بالة .(صحیح بخاری کتاب الرقائق ص:۹۵۲، ج:۲)

ترجمہ: ”حضرت مرداس اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: نیک لوگ یکے بعد دیگرے رخصت ہوتے جائیں گے، جیسے چھٹائی کے بعد ردی جو یا کھجوریں باقی رہ جاتی ہیں، ایسے ناکارہ لوگ رہ جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔“

آج اُمت مسلمہ قرآن و حدیث کی تعلیمات کو بھلا کر دنیا کی چکا چوند میں کھوگئی ہے، اپنے نصب العین سے ہٹ کر مردہ ہوچکی ہے اور جس طرح گدھ مردار پر ٹوٹتے ہیں آج سارے کفار اس پر اسی طرح ٹوٹ پڑے ہیں اور کیوں نا ٹوٹ پڑیں کہ ان کے دلوں میں ”وھن“ پیدا ہوگیا ہے۔ کسی صحابیؓ نے عرض کیا کہ ان کا ہمارے خلاف جمع ہونا اور ہم پر غالب آجانا کیا اس سبب سے ہوگا کہ اس وقت ہم کم تعداد میں ہوں گے؟ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں ایسا اس وجہ سے نہیں ہوگا کہ تم کم تعداد میں ہوگے؛ بلکہ اس وقت تمہاری تعداد تو بہت ہوگی، لیکن تمہاری حیثیت پانی کے اس جھاگ کی سی ہوگی جو دریا نالوں کے کناروں پر پائے جاتے ہیں (یعنی تمہارے اندر جرات و شجاعت اور قوت کا فقدان ہوگا) اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہاری ہیبت اور تمہارا رعب نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں ضعف و سستی پیدا کر دے گا۔ کسی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہمارے دلوں میں ضعف و سستی پیدا ہوجانے کا سبب کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے بیزاری۔ (یعنی جب زندگی تمہارے لئے عزیز اور موت تمہارے لئے ناپسند ہوجائے گی تو تم دشمن کا مقابلہ کرنے اور بہادری کے جوہر دکھانے کے قابل نہیں رہ جاؤ گے) (رواہ ابوداود: ۴۲۹۷)

کیا ہم اس حدیث کو سن کر بس خاموش ہوجائیں‘ چپ سادھ لیں یا ”وھن“ کی اس بیماری سے اپنے آپ کو اور امت مسلمہ کو نجات دلانے کی فکر کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں آقا ﷺ کی ان قیمتی نصائح پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

پیش گفتار

حضرت مولانا حسیب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ

(سابق شیخ الحدیث دارالعلوم حیدرآباد)

از: مدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وبہٖ نستعین

یہ ۱۹۸۵ء کی بات ہے کہ درالعلوم حیدرآباد میں دورۂ حدیث کے آغاز پر درسِ بخاری کے لئے حضرت مولانا حسیب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کا انتخاب کر کے انہیں حیدرآباد میں لایا گیا تھا، راقم الحروف عوارضِ ذاتیہ کی وجہ سے درسِ نظامی کی تکمیل کئے بغیر مدرسہ فیض العلوم میں شعبۂ تحفیظ القرآن کی تدریسی خدمات انجام دے رہا تھا، ترکِ تعلیم کا افسوس اور تکمیل کا شوق ماند نہ پڑ سکا، اس لئے ارادہ ہوا کہ کیوں نہ تدریسی خدمات ترک کر کے پھر سے حصولِ علم میں لگ جاؤں، کیوں کہ اب تک سوائے جامعہ نظامیہ کے حیدرآباد میں کہیں دورۂ حدیث شریف کی تعلیم نہ تھی، جب اپنے شیخ اور مدرسے کے ناظم حضرت محی السنہؒ سے حصولِ علم کے لئے مدرسے سے مستعفی ہونے کی اجازت مل گئی تو میں دارالعلوم حیدرآباد پہونچا، درخواست دی، امتحان ہوا اور داخلہ مِل گیا، اسی دن استاذِ محترم حضرت مولانا حسیبُ الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ سے اُن کے حجرے میں پہلی ملاقات ہوئی تھی، اگرچہ مجھے دورۂ حدیث سے قبل دو سال اور پڑھنے تھے اور اس میں بھی قدرتی طور پر کئی موانع پیش آئے اور کافی وقت لگا، مگر میں حضرت شیخ صاحبؒ کے یہاں برابر آتا جاتا رہا، وہ بھی بہت شفقت فرماتے رہے، میں نے فراغت سے قبل ہی ایک مدرسہ قائم کر دیا تھا، جو اگرچہ ایک محلے کا صباحی و مسائی مکتب تھا، مگر وہ رفتہ رفتہ باقاعدہ مدرسہ ہی بن گیا، شیخ کو میری مصروفیات کا علم تھا، جب بھی ملاقات ہوتی تو اپنے تجربات کی روشنی میں بہت مفید اور کارآمد باتیں سُناتے اور مشورے دیتے تھے، بلکہ بعض مرتبہ پدرانہ شفقت جتاتے ہوئے تاکید و تحکُّم بھی فرماتے تھے، مجھے بہت اچھا بھی لگتا تھا۔

شیخ رحمہ اللہ میں بہت ہی استقامت تھی، وہ خالص تدریسی آدمی تھے، اگر چہ کبھی کبھار کسی کے اصرار پر جلسوں میں شرکت فرما لیتے تو بہت سلیقے سے بیان فرماتے تھے مگر وہ اس سے بہت گھبراتے اور کتراتے تھے، پڑھانا اُن کا ذوق اور پسندیدہ مشغلہ تھا، اسی سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ فراغت کے بعد جامعہ رحمانیہ مونگیر میں مدرس ہوئے تو بائیس سال تک وہیں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے، اور ہر فن پڑھایا، درمیان کے چند برس کو چھوڑ کر پھر جب دار العلوم حیدرآباد آئے تو اکتیس برس تک پوری مستعدی اور استقامت سے بخاری شریف پڑھاتے رہے، پڑھانے کا انداز اور تفہیم کی شان بھی بہت نرالی تھی، مجھے اُن سے بخاری شریف کے علاوہ اور بھی کتابیں پڑھنے کا موقعہ ملا، ایک خاص ترتیب سے گفتگو شروع فرماتے تھے اور حسنِ ترتیب سے مکمل فرماتے تھے، درمیان میں کوئی انقطاع نہ ہوتا، طلبہ کو بات پوری طرح سمجھ میں آجاتی تھی، پھر ایسے کوئی خشک مزاج بھی نہ تھے، ظرافتِ طبعی اور لطافت حکایتی سے خود بھی خوب محظوظ ہوتے ہوئے طلبہ کو بھی محظوظ کرتے تھے اسی کے ساتھ درس کی مختلف مناسبتوں سے راہ بنا کر نہایت سنجیدہ نصیحتیں فرماتے تھے۔

علماء کو اپنا وقار ملحوظ رکھنے اور راہِ علم کی مشقتوں سے نہ گھبرانے نیز علم کو عمل کے لباس سے آراستہ رکھنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے، غرض جو اسلافِ امت اور اہلِ دیوبند کا تدریسی مزاج و انداز ہے اُسے اسی حال پر قائم رکھے رہے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ، کیوں نہ رکھتے، وہ وقت کے اساطینِ علم وفضل سے شرفِ تلمذ رکھتے تھے، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی، علامہ ابراھیم بلیاوی، حکیم الاسلام قاری محمد طیب، شیخ الحدیث حضرت مولانا فخر الدین، علامہ انظر شاہ کشمیری رحمہم اللہ اُن کے اساتذہ میں شامل ہیں۔

ذاتی زندگی بھی بہت سادگی کی تھی، ہمیشہ صاف ستھرے لباس میں ہوتے تھے، مگر بہت سادہ وضع تھی، بیشتر کرتے لنگی میں رہتے، کبھی باہر جانا ہوتا یا خاص مواقع ہوتے تو پائجامہ زیب تن کرتے تھے، صدری گویا بہ طور علامت کے ضرور رہتی تھی، دو پلّے کی ٹوپی پہنتے تھے، سادہ سی چپل استعمال فرماتے تھے، کمرے میں بھی ضروریاتِ زندگی نہایت مختصر وہ بھی نہایت سادی تھیں، ۳۰ر سال دار العلوم حیدرآباد میں رہے، اُن کے حجرے میں ساز وسامان کچھ نہ بڑھا، اپنے دروس کی معاون کتابیں ایک الماری میں متصلاً رکھی رہتیں اور لکڑی کا ڈ کس مطالعہ کے واسطے سامنے رہتا تھا۔

شاگردوں سے بڑی محبت فرماتے تھے، دیر سے ملنے پر شکوہ فرماتے تھے، کبھی کبھی تو غضبناک ہوتے اور خوب بھڑتے مگر فوراً ہی رحمت وشفقت کے ساتھ متوجہ ہوتے اور معافی تک طلب کر لیتے تھے، پُرانے شاگردوں سے بھی کہتے تھے ہمارے پڑھانے میں جو بھی زیادتی ہو سب ہمیں معاف کر دینا، ان کے تلامذہ

ماشاء اللہ سے بڑے علم وفضل والے ہیں، مولانا فضل الرحمٰن رحمانی (سابقہ استاذ جامعہ اسلامیہ بھٹکل، وسابقہ صدر مدرس دارالعلوم حیدرآباد) مولانا بدرالحسن قاسمی (عہدہ دار، وزارت اوقاف کویت) مولانا رضوان القاسمی رحمہ اللہ (بانی دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد)، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، (ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد) جیسے بیسوں اکابر علماء شیخ کے تلامذہ تھے، وہ ان لوگوں کے استاذ ہونے پر فخر کرتے تھے، کبھی کبھی خوشی سے فرماتے تھے، میرے مار بھی کھائے ہیں یہ لوگ مگر میں ان کے مرتبۂ علم سے بے خبر نہیں ہوں، تلامذہ کے آنے ملنے پر بہت خوش ہوتے تھے، راقم السطور سے بھی بڑی محبت تھی، میرے بیٹے مفتی عبدالملک انس قاسمی دارالعلوم حیدرآباد میں پڑھ رہے تھے جب کبھی ملتے تو فرماتے، تمہارے ابّا نے بھی مجھ سے پڑھا ہے، میں ملاقات کے لئے جاتا تو فوراً خادم کو اپنے جیب سے پیسے نکال کر دیتے اور چاء منگواتے، بسا اوقات خود اپنے ہاتھ سے بنا کر پلاتے تھے، یہ معاملہ ان کا سب ہی کے ساتھ تھا۔

معمولات کے بہت پابند تھے، نماز باجماعت اور سنن قبلیہ و بعدیہ کا بہت اہتمام فرماتے تھے، اوراد ومعمولات جو اچھے خاصے تھے اہتمام سے پورے کرتے تھے، تلاوتِ قرآن کا ذوق بھی تھا اہتمام بھی، لغویات وفضولیات میں کبھی نہیں دیکھا گیا، وقت کی حفاظت اور استعمال پر برابر نظر رہتی تھی، بنا مطالعہ کئے نہیں پڑھاتے تھے، فرماتے تھے کہ پڑھانے کے لئے مطالعہ کافی نہیں ہے، ذہن میں ایک خاکہ بھی مرتب کرنا پڑتا ہے، تب جاکے صحیح تفہیم ہوسکتی ہے، چناں چہ خود ان کا اندازِ سبق مطالعہ اور ترتیبِ ذہن کا ثبوت دیتا تھا۔

ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا: چھوٹے بنے بغیر بڑے بننا بہت خطرناک ہے، جو لوگ ماتحتی میں کام کئے بغیر ناظم بن جاتے ہیں وہ اپنے عملے کو سنبھال نہیں پاتے، کیوں کہ ان کے ماتحتوں کے مسائل اور تکالیف کا اندازہ نہیں ہو پاتا۔

ایک مرتبہ فرمایا: کسی بھی مدرسے کی کامیابی ڈسپلن اور نظم کی پابندی سے ہوتی ہے، افسر اپنا چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اطاعت کرنی چاہیئے، میں یہاں مدرس ہوں اور فلاں مولانا صدر مدرس ہیں جب کہ وہ میرے شاگرد ہیں، اگر میں شاگردی کو دیکھوں تو وہ نظام کیسے چلاسکیں گے، یقیناً نا اتفاقی اور بدنظمی ہوجائے گی، اس لئے میں نے طئے کرلیا ہے کہ بس ایک مدرس کی طرح ان کے ساتھ رابطہ رکھنا ہے تاکہ وہ اپنا نظام اپنے حساب سے چلاسکیں۔

ایک مرتبہ حضرت عاقل صاحبؒ کسی انتظامی مسئلے میں سینئر اساتذہ سے مشورہ لے رہے تھے، شیخؒ کی رائے لی گئی تو فرمایا: مولانا! آپ مدرسہ چلاتے ہیں آپ بہتر سمجھ سکتے ہیں کہ کیا کیا جائے، ہم ادارے کے ملازم ہیں پس جو تجویز ہوجائے گا اس کے مطابق عمل کریں گے، ہمارا کام پڑھانا ہے، پڑھاتے رہیں گے، آپ کا کام

آپ زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔

وفات سے قبل دارالعلوم حیدرآباد والے ختم بخاری شریف میں اُنہیں دعوت دیئے ہوئے تھے، میں نے فون کر کے اُنھیں درخواست کی کہ ہمارے مدرسے میں دورۂ حدیث کا پہلا سال مکمل ہوا ہے، میں آپ کا شاگرد ہوں، چاہتا ہوں کہ اختتامی درس آپ ہی دیں فرمایا: اگر میں آیا تو ضرور آؤں گا اور آپ کی فرمائش پوری کروں گا مجھے آپ کے اوپر اور آپ کی خدمات پر فخر ہے، اللہ پاک نے بہت کام کرنے والوں کو میرا شاگرد بنایا ہے، میں حیدرآباد آؤں تو آپ کے پاس ضرور آؤں گا مگر خدا کا کرنا کہ وہ آ نہ سکے، ان کی وفات کی خبر آئی، انا للہ و انا الیہ راجعون۔

خیر! باتیں تو یاد آتی چلی جاتی ہیں مگر میں سفر میں ہوں پرچہ پریس جا رہا ہے، اسی پر اکتفا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے، آمین۔

۱۹۳۷ء میں ریاست بہار کے قصبہ ڈابر میں پیدا ہوئے تھے، ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں حاصل کی اور ۱۹۵۶ء میں بہ عمر ۱۹ سال دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، ۲۰ رواں سال مزید تکمیل علوم میں لگائے، پھر ۲۱ سال کی عمر سے لے کر وفات سے دو سال قبل تک دینی تدریسی خدمات میں مشغول رہ کر ۲۴ ر ڈسمبر ۱۸ء کو اس دنیا سے بہ عمر ۸۱ برس رخصت ہوئے۔

(بقیہ صفحہ: ۶ سے)

معاشرہ میں انسانی جسم کے اُس سڑے ہوئے عضو کے مانند ہے جو اب ناقابلِ علاج ہو گیا ہے، تو اسکو کاٹ کر الگ کرنا ہی جسم کی بقا کے لئے ضروری ہو جاتا ہے، اسی طرح مجرمین و مفسدین کو (جو امن کے دشمن ہیں) سزا دے کر معاشرہ میں جرائم کا سد باب کیا جاتا ہے یہ معاشرہ کیلئے عین رحم و کرم ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حدود جاری کرنے میں دو باتیں بڑی واضح انداز میں بیان فرمائی ہیں پہلی بات یہ ہے کہ حد جاری کرنے میں مجرم پر کسی بھی طرح تم کو ترس نہیں آنا چاہیئے، دوسری بات یہ ہے کہ سزا کے اس منظر کا مسلمانوں کی ایک جماعت مشاہدہ کرے گی، اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر کسی کے دل میں جرم کی چنگاری ہو تو وہ شعلہ نہ بن سکے، ان حدود کو جارے کرنے میں ایسی اور بھی حکمتیں ہیں ان حکمتوں اور دور اندیشیوں کے باوجود بھی کوئی شپرہ چشم اس پر اعتراض کرتا ہے تو بس یہی کہا جاسکتا ہے لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

حضرت زینب بنت ابی معاویہؓ

نام ونسب: ان کا نام زینب، عرف رائطہ، قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتی ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے: زینب بنت ابو معاویہ بن عتاب بن اسعد بن غاضرۃ بن حطیط بن جشم بن ثقیف۔

نکاح: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا، چونکہ ان کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا اور زینب دستکار تھیں، اس لئے اپنے شوہر اور اولاد کی خود کفیل ہوئیں، ایک دن کہنے لگیں کہ تم نے اور تمہاری اولاد نے مجھ کو صدقہ وخیرات سے روک رکھا ہے، جو کچھ کماتی ہوں تم کو کھلا دیتی ہوں، بھلا اس میں میرا کیا فائدہ؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تم اپنے فائدہ کی صورت نکال لو، مجھ کو تمہارا نقصان منظور نہیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس پہنچیں، اور عرض کرنے لگیں کہ میں دست کار ہوں اور جو کچھ اس سے پیدا کرتی ہوں، شوہر اور بال بچوں پر صرف ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ میرے شوہر کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے، اس بناء پر میں محتاجوں کو صدقہ نہیں دے سکتی، اس حالت میں کیا مجھ کو کچھ ثواب ملتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ہاں، تم کو ان کی خبر گیری کرنا چاہئے۔ (مسلم)

اولاد: ابوعبیدہؒ اپنے زمانہ کے مشہور محدث گذرے ہیں جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نورِ نظر تھے۔

فضل وکمال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی چند حدیثیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیں، راویوں میں ابوعبیدہ، عمرو بن حارث بن ابی ضرار، بسر بن سعید، عبید بن سباق، کلثوم، محمد بن عمرو بن حارث رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت اسماء بنت یزیدؓ

نام ونسب: اسماء نام ہے، کنیت ام سلمہ ہے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے، اسماء بنت یزید بن السکن بن رافع امرؤ القیس بن زید بن عبدالاشہل۔

---

* رفیق تصنیف دارالدعوۃ والارشاد، یوسف گوڑہ، حیدرآباد

اسلام: ہجرت کے بعد قبول اسلام کیا، اور چند عورتوں کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر بیعت ہوئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابہؓ کے مجمع میں تشریف فرما تھے، انہوں نے عرض کیا کہ: مسلمان عورتوں کی طرف سے ایک پیغام لے کر آئی ہوں، خدا نے آپ کو مرد اور عورت سب کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے، ہم نے آپ کی پیروی کی ہے اور آپ پر ایمان لائی ہیں؛ لیکن ہماری حالت مردوں سے بالکل جداگانہ ہے، اس لئے کہ ہم پردہ نشیں ہیں، جمعہ اور جماعت میں شریک نہیں ہوسکتیں اور مرد جمعہ و جماعت میں شریک ہوتے ہیں، مریضوں کی عیادت کرتے ہیں، نماز جنازہ پڑھتے ہیں، حج کو جاتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جہاد کرتے ہیں، لیکن ان تمام صورتوں میں ہم گھر میں رہ کر ان کی اولاد کو پالتے ہیں، گھروں کی حفاظت کرتے ہیں، کپڑوں کے لئے چرخہ کاتتے ہیں، تو کیا اس صورت میں ہم کو بھی ثواب ملے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سنا تو صحابہؓ سے فرمایا کہ تم نے کسی عورت سے ایسی گفتگو کبھی سنی ہے؟ لوگوں نے کہا: نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسماء رضی اللہ عنہا کو جواب دیا کہ عورت کے لئے شوہر کی رضا جوئی نہایت ضروری ہے، اگر وہ فرائض زوجیت ادا کرتی ہے اور شوہر کی مرضی پر چلتی ہے تو مرد کو جس قدر ثواب ملتا ہے، عورت کو بھی اسی قدر ثواب ملتا ہے۔ (اسد الغابۃ: ۵/۳۹۸)

جامع ترمذی، ابن سعد اور مسند ابن حنبل میں اس بیعت کا کسی قدر تذکرہ آیا ہے کہ اس بیعت میں اسماء رضی اللہ عنہا کی خالہ بھی شریک تھیں جو سونے کے کنگن اور انگوٹھیاں پہنی ہوئی تھیں، آپ نے فرمایا: ان کی زکاۃ دیتی ہو؟ بولیں: نہیں تو فرمایا: تو کیا تم کو یہ پسند ہے کہ خدا آگ کے کنگن اور انگوٹھیاں پہنائے، حضرت اسماءؓ نے کہا: خالہ ان کو اتار دو، چنانچہ فوراً تمام چیزوں اتار کر پھینکا، اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم زیور نہ پہنیں گی تو شوہر بے وقعت سمجھے گا، ارشاد ہوا، تو پھر چاندی کے زیور بنواؤ اور ان پر زعفران مَل لو کہ سونے کی چمک پیدا ہوجائے۔ غرض ان باتوں کے بعد جب بیعت کا وقت آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے زبانی چند اقرار کرائے حضرت اسماءؓ نے کہا: یارسول اللہ! ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں، اپنا ہاتھ بڑھایئے، فرمایا: میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔ بعض روایات میں ہے کہ کنگن کا یہ واقعہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا ہی تھا (مسند احمد)

حالات زندگی: سن ۱ ہجری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی رخصتی ہوئی اور وہ اپنے میکہ سے کاشانۂ نبوت میں آئیں تو جن عورتوں نے ان کو سنوارا تھا ان میں حضرت اسماءؓ بھی داخل تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جلوے میں بٹھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اطلاع کی، آپ ان کے پاس آکر بیٹھ گئے، کسی نے دودھ پیش کیا تو تھوڑا سا پی کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا ان کو شرم معلوم ہوئی اور سر جھکالیا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ڈانٹا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو دیتے ہیں، لے لو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دودھ لے کر کسی قدر پی لیا اور

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واپس کر دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسماء کو دیا انہوں پیالہ کو گھٹنے پر رکھ کر گردش دینا شروع کیا کہ جس طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوش فرمایا تھا وہاں بھی منہ لگ جائے اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اور عورتوں کو بھی دو، لیکن سب نے جواب دیا کہ ہم کو اس وقت خواہش نہیں ہے، ارشاد ہوا: ''بھوک کے ساتھ جھوٹ بھی'' (مسند احمد)۔ ۱۵ ہجری یرموک کا واقعہ پیش آیا اس میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنے خیمہ کی چوب سے ۹ رومیوں کو قتل کیا۔ (الاصابۃ: ۸ / ۱۳)

فضائل وکمالات: حضرت اسماءؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند احادیث نقل کی ہیں، جن کے راوی مندرجہ ذیل اصحاب ہیں: محمود بن عمر انصاری، مہاجر بن ابی مسلم، شہر بن حوشب، مجاہد، اسحاق بن راشد، لیکن ان میں سب سے زیادہ شہر بن حوشب نے روایتیں نقل کی ہیں۔

اخلاق وعادات: استیعاب میں ہے: ''کانت من ذوات العقل و الدین'' یہ نہایت زیرک، عقل مند اور متدین تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کیا کرتیں تھیں، ایک مرتبہ ناقہ غصباء کی مہار تھامی ہوئی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی، ان کا بیان ہے کہ وحی کا اتنا بار تھا کہ مجھے خوف ہوا کہ کہیں اونٹنی کے ہاتھ پاؤں نہ ٹوٹ جائیں۔

حضرت اسماءؓ اکثر اوقات کاشانۂ نبوت میں حاضر ہوتیں، ایک مرتبہ بیٹھی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دجال کا ذکر فرمایا، گھر میں کہرام مچ گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ واپس آئے تو وہی حالت قائم تھی، فرمایا: کیوں روتی ہو؟ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: ہماری حالت یہ ہے کہ لونڈی آٹا گوندھنے بیٹھی ہے، ہم کو سخت بھوک ہوجاتی ہے، وہ پکا کر فارغ نہیں ہوتی کہ ہم بھوک سے بیتاب ہوجاتے ہیں، پھر دجال کے زمانہ میں جو قحط پڑے گا اس پر کیسے صبر کر سکیں گے؟ (یعنی فوراً اس کے دام میں پھنس جائیں گے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس دن تسبیح وتکبیر بھوک سے بچائے گی، پھر کہا: رونے کی ضرورت نہیں، اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو میں خود سینہ سپر ہوں گا، ورنہ میرے بعد خدا ہر مسلمان کی حفاظت کرے گا۔ (مسند احمد)

بہت مہمان نواز تھیں، ایک بار حضرت شہر بن حوشبؒ آئے تو انہوں نے ان کے سامنے کھانا رکھا، حضرت شہر بن حوشبؒ نے انکار کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعہ بیان کیا جس سے یہ اشارہ مقصود تھا کہ انکار کرنا مناسب نہیں، انہوں نے کہا: اب دوبارہ ایسی غلطی نہ کروں گا۔ (مسند احمد)

وفات: یرموک کے بعد مدت تک زندہ رہیں، اور پھر وفات پائی، وفات کا سال متعین طور پر معلوم نہیں۔

اصلاحی مضامین

یہی ہے عبادت یہی ہے دین وایمان

مفتی عبدالعزیز لجی بارکس*

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں ایمان کے بعد جن چیزوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور انسانیت کی کامرانی وسعادتوں کو ان کیلئے ضروری قرار دیا ہے، ان میں ایک تعلیم یہ بھی ہے کہ آدمی اخلاق حسنہ اختیار کرے اور برے اخلاق سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے، قرآن مجید نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصد کو جہاں بتلایا ہے، وہاں "وَ یُزَکِّیْهِمْ" کا بھی تذکرہ کیا، اور اس تزکیہ میں اخلاق کی اصلاح اور درستگی کی خاص اہمیت ہے، ارشاد ربانی ہے هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ (الجمعہ۔ ٢) وہی ذات ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول ان ہی میں سے مبعوث فرمایا، جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، اور انہیں پاک صاف کرتا ہے۔

حدیث کی مختلف کتابوں میں یہ مضمون آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود اس طرح ثابت ہے کہ "بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" میری بعثت ہی اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لئے ہوئی ہے، کیونکہ انسان کی زندگی اور اس کے نتائج میں اخلاق کی بڑی اہمیت ہے، اگر انسان کے اخلاق اچھے ہوں تو خود اس کی زندگی بھی قلبی سکون اور خوشگواری کے ساتھ گزرے گی، اور دوسروں کے لئے بھی اس کا رہنا اطمنان وچین کا باعث ہوگا، اور اس کے برخلاف اگر اس کے اخلاق برے ہوں تو خود بھی بے چینی و بے قراری کے ساتھ زندگی گزارے گا، اور جن کے ساتھ اس کا رہن سہن ہے اس کی نشست و برخواست اور اس کا تعلق ہوگا، ان کی بھی زندگیاں بے مزہ اور تلخ ہونگی، اور اسی خوش اخلاقی کی اہمیت کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مختلف ارشادات کے ذریعہ بتلائی ہے، ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "أن من خیار کم احسنکم اخلاقا" (متفق علیہ)

"تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں" اس روایت کا مطالعہ بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن اخلاق کو کمال ایمان کا درجہ عطا فرمایا؛ فرمایا کہ! اکمل المؤمنین ایماناًاحسنھم خلقاً۔ (ابوداؤد)

*استاذ شعبہ عالمیت ادارۂ ہذا

"ایمان والوں میں زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں زیادہ اچھے ہیں"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اخلاق کے متعلق جو روایات منقول ہیں وہ دو طرح کی ہیں ایک تو وہ ہے جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخلاق حسنہ اختیار کرنے کی مختلف انداز سے فضائل بیان فرمائے، اور دوسری وہ روایات ہیں جن میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض خاص خاص اخلاق اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔ جس میں شب بیداری، اللہ کے ساتھ گہرا تعلق، ایثار، ہمدردی، قناعت، توکل، زہد، حسن سلوک وغیرہ کی تعلیمات ہیں، اور یہ بات طے ہے کہ ان تمام تعلیمات کا تعلق عبادات ومعاملات سے بھی ہے، اور اخلاق معاشرت سے بھی ہے اور خصوصیت کے ساتھ معاشرت ومعاملات اس لحاظ سے شریعت کے نہایت اہم ابواب ہیں کہ ان میں ہدایت ربانی اور خواہشات نفسانی، احکام شریعت اور دنیوی مصلحت ومنفعت کی کشمکش زیادہ ہوتی ہے، اس لئے اللہ کی بندگی وفرمانبرداری اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری کا جیسا امتحان ان میدانوں میں ہوتا ہے دوسرے کسی میدان میں نہیں ہوتا، اور یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے بنی آدم کو فرشتوں پر ایک خاص قسم کی فضیلت حاصل ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ہمہ وقتی ذکر وعبادت اور روح کی لطافت وطہارت میں انسان فرشتوں کی برابری بھی نہیں کرسکتا، اور ان معاشرتی ومعاملتی احکام میں سب سے زیادہ اہمیت اتحاد واتفاق، آپسی بھائی چارگی، اور اسلامی برادری کے باہمی تعلق اور برتاؤ کو دی گئی، اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اچھا خاصہ خزانہ اس کی ہمیت و افادیت کی وضاحت کرتا ہے۔

یہ ایک حقیقتِ مسلمہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء علیھم السلام جو اللہ کی طرف سے پیغام حق اور دعوت دین لے کر آئے تھے ان حضرات کی محنت پر جن لوگوں نے اس طریقہ کو قبول کیا اور اس راستہ کو اختیار کیا وہ قدرتی طور پر ایک جماعت اور امت بنتے جاتے تھے، یہ دراصل "اسلامی برادری" اور "امت مسلمہ" تھی۔

جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں رونق افروز رہے یہی جماعت اور یہی امت آپ کا دست وبازو اور دعوت وہدایت کی مہم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفیق ومددگار تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قیامت تک اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت میں اس مقدس چیز کی ذمہ داری سنبھالنی تھی، اس کیلئے جس طرح ایمان ویقین تعلق باللہ اور اعمال واخلاق کی پاکیزگی اور جذبۂ دعوت کی ضرورت تھی، اس طرح دلوں کے جوڑنے اور شیرازہ بندی کی بھی ضرورت تھی، اگر دلوں میں نفرت ہو، اتحاد واتفاق کے بجائے اختلاف وانتشار مبتلا ہوں تو ظاہر ہے کہ نیابت کی یہ ذمہ داری ادا نہ ہوسکتی تھی، اس لئے آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پاکیزہ ارشادات اور اقوال کے ذریعہ اتحاد اتفاق اور اسلامیت کو ایک مقدس رشتہ قرار دیا، اس تعلیم ہدایت کی ضرورت خاص طور سے اس لئے بھی تھی کہ امت میں مختلف ملکوں نسلوں اور مختلف طبقوں کے لوگ تھے جن کے رنگ ومزاج اور جن کی زبانیں مختلف تھیں اور

یہ چیزیں وقت کے ساتھ ساتھ اور زیادہ ہونے والی تھیں۔

ذیل کی سطور میں اتحاد و اتفاق اور باہمی تعلق و محبت، آپسی بھائی چارگی کے متعلق آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ارشادات تحریر کئے جاتے ہیں کہ جن میں فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ بھی ہے، اور عمل کی ترغیب بھی، اور جن کے مطالعہ سے فکر کو جلاء اور روح کو غذاء ملتی ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ: آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے تعلق ایک مضبوط عمارت کے جیسا ہے، اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا۔(بخاری و مسلم)

مطلب یہ ہے کہ جس طرح عمارت کی اینٹیں باہم ایک دوسرے سے ملکر مظبوط قلعہ بن جاتی ہیں اسی طرح امت مسلمہ ایک قلعہ ہے اور ہر مسلمان اس کی ایک ایک اینٹ ہے، ان میں آپس میں وہی ربط و تعلق ہونا چاہیئے جو عمارت میں ایک اینٹ کا دوسرے اینٹ سے ہوتا ہے، اور اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھی کی انگلیوں میں ڈالکر دکھایا، ایک روایت میں آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمام مسلمان آپس میں ایسے ہیں جیسے ایک آدمی کے جسم میں اس کے مختلف اعضاء اگر اس کی آنکھ دکھے تو اس کا سارا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے، اگر اس کے سر میں تکلیف ہو تو اس کا سارا جسم تکلیف میں شریک ہوتا ہے۔(مسلم)

مطلب یہ ہے کہ پوری امت مسلمہ گویا ایک جسم و جان والا وجود ہے اور اس کے افراد اور اس کے اعضاء ہیں جس جسم میں ایک عضو کو تکلیف سے سارا بدن تکلیف میں ہوتا ہے اسی طرح پوری ملت اسلامیہ کو ہر مسلمان فرد کی تکلیف محسوس کرنی چاہیئے ہر ایک کے دکھ درد میں سب کو شریک ہونا چاہیئے۔

اس روایت کو بھی آپ اپنے مطالعہ میں لے آیئے جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتحاد و اتفاق کی ایسی اہمیت بتلائی کہ اگر اتحاد و اتفاق نہ ہو تو آدمی ایمان کی روح و حقیقت اور اس کی برکاکت سے بھی محروم ہوجاتا ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کوئی بندہ سچا مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لیئے چاہتا ہے۔(بخاری و مسلم)

اتحاد و اتفاق کی اہمیت کے پیش نظر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی بھی گنجائش رکھی کہ آدمی اگر دو مسلمانوں کے درمیان اختلاف اور فتنہ ختم کرنے کے لئے اور ان کے درمیان محبت و مودت قائم کرنے لئے کچھ جھوٹ بھی کہہ دے تو عند اللہ وہ جھوٹا اور گنہگار نہیں ہوگا، حضرت ام کلثومؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ آدمی جھوٹا اور گنہگار نہیں ہے جو باہم لڑنے والے دو آدمیوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے

اوراس سلسلہ میں (ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو) خیراور بھلائی کی باتیں پہنچائے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک مسلمانوں میں اخوت ومحبت اوراتفاق واتحاد کا یہ رشتہ برقرار رہا وہ ساری دنیا پر چھائے رہے اور جب سے انہوں نے ایک دوسرے کی ذات پر حملے کرنے اور ایک دوسرے کو گرانے کا عمل شروع کیا ہے وہ اقوام عالم میں ذلیل وخوار ہوتے جارہے ہیں، حالانکہ اس وقت مسلمان ظاہری اعتبار سے اپنے اسلاف کے مقابلے میں بہتر حالات میں ہیں، افرادی اعتبار سے دیکھئے تو اس وقت مسلمانوں کی تعداد ایک ارب سے بھی زیادہ ہے، وسائل کے اعتبار سے دیکھئے تو پٹرول (سیال سونے) کے کنوئیں زیادہ تر مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں، معدنیات کے ذخائر اور دکانیں بھی اسلامی ممالک ہی میں زیادہ ہیں، مالی اعتبار سے نظر ڈالیں تو اکثر اقوام عالم سے مسلمان قوم زیادہ مالدار ہے لیکن ان تمام حقیقتوں کے باوجود یہی سوال ذہنوں میں اُٹھتا ہے کہ مسلمان کمزور اور مغلوب کیوں ہیں؟ اس کی سب سے بڑی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ مسلمان آج اپنی ایمانی کمزوری کیساتھ ساتھ آپسی لڑائی، تفرقہ بازی، عدم اتحاد واتفاق جیسے کاموں میں ملوث ہے۔

یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ پہلے مسلمانوں کے پاس سونے چاندی کی دولت نہیں تھی لیکن ایمان کی بے پناہ وبیش بہا اور قیمتی دولت تھی، ان کے پاس پٹرول اور معدنیات کے ذخائر نہیں تھے البتہ اللہ کی ذات پر یقینِ کامل اور اعتماد وتوکل کا عظیم ذخیرہ ان کے پاس تھا، ان کے پاس جدید اسلحہ اور ساز وسامان کی طاقت نہیں تھی لیکن آپس کے اتحاد واتفاق کی قوت ان کے پاس تھی، جس کی بنا وہ نہتے تین سو تیرہ ۳۱۳ تھے مگر انہوں نے ایک ہزار کے مسلح اور تجربہ کار لشکر کو شکست دیدی، ایسا بھی ہوا کہ مسلمان تین ہزار تھے لیکن انہوں نے دولاکھ کے لشکر کو شکست دے دی۔

اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اسلاف نے ہمیشہ اتحاد واتفاق کو سامنے رکھا اور محبت فی اللہ اور تعلق مع اللہ کے اس جذبہ سے ہمیشہ اس طرح بندھے رہے کہ اپنی ظاہری اور اجتہادی اختلاف کے باوجود اسلام پر کسی طرح کی غیروں کی نظر کو برداشت نہ فرمایا، سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں یہ واقعہ اس کا کھلا ثبوت ہے کہ جب حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان آپسی اجتہادی اختلاف کی بنا پر جنگ گرم تھی، اور ادھر رومیوں نے حضرت امیر معاویہؓ کو اپنی طرف ملاکر چال چلنے کی کوشش کی اور یہ لکھا کہ ہم حضرت علیؓ کے مقابلے میں آپ کا ساتھ دینا چاہتے ہیں۔ بس آپ کا پیغام ملنے کی دیر ہے، حضرت امیر معاویہؓ کو جب یہ خط ملا تو انہوں نے اس کا جواب دیا وہ جہاں ان رومیوں کے لئے باعث حیرت تھا وہیں ہمارے لیئے یہ درس عبرت ونصیحت ہے کہ "جان جائے پر آنچ نہ آئے" آپسی اختلاف اس حد تک نہ ہوں کہ دشمنان اسلام ہمارے دین وملت پر حملہ کردیں، فرمایا کہ "او رومی کتے! ھمارے آپسی اختلاف کی وجہ سے اگر مدینہ اور اسلام کی طرف نگاہ اٹھانا چاہتا

ہے توسن لے" اگر تو نے مسلمانوں کی طرف رخ کرنے کوشش بھی کی تو علیؓ کے لشکر کے جو سب سے پہلا سپاہی تیرے مقابلے کیلئے نکلے گا وہ معاویہ بن ابی سفیانؓ ہوگا۔

کاش! یہ جذبہ اور تعلق آج کے مسلمانوں میں پیدا ہو جائے، اس لئے کہ اصل دین و ایمان کی حقیقت یہی ہے کہ آدمی ایک دوسرے کے کام آئے مصیبتوں میں اس کا سہارا بنے آزمائشوں میں اس کی غمخواری کرے خوشی اور فرحت کے موقع پر اس کا شریک ہو، اس بات کو الطاف حسین حالی نے اس انداز میں بیان کیا ہے کہ جو سبق آموز بھی ہے اور معنی خیز بھی ہے۔

یہی ہے عبادت یہی ہے دین و ایمان
کہ کام آئے دنیا میں انسان کے انسان

فون سب کھا گیا

نتیجہ فکر: مفتی اکرام الحسن مبشر قاسمی *

الفت و دوستی فون اب کھا گیا		آپسی دل لگی فون اب کھا گیا
ساتھ میں بیٹھ کر مسکراتے تھے ہم		محفلوں کی ہنسی فون اب کھا گیا
انگلیوں سے ہیں اب واسطے، رابطے		دل کی وابستگی فون اب کھا گیا
ہم کو تھوڑا بہت جو کتابوں سے تھا		ربط وہ آخری فون اب کھا گیا
اب نمازوں میں بھی قلب حاضر نہیں		قلب کی حاضری فون اب کھا گیا
مسجدوں کا سکوں ہوگیا ختم اب		لذّتِ ذکر بھی فون اب کھا گیا
تھی تلاوت سے جو روشنی روشنی		گھر کی وہ روشنی فون اب کھا گیا
دن تو اکرامؔ سارا کٹا فون میں		نیند بھی رات کی فون اب کھا گیا

---

*استاذ شعبۂ معہد الاشرف، اکبر باغ ادارۂ ہٰذا

اصلاحی مضامین

Tik Tok ایک حیاء سوز اور دجالی فتنہ ہے

از: مولانا مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

امت مسلمہ جن مصائب ومشکلات سے دوچار ہے وہ کسی دیدہ ور سے مخفی نہیں، ہر دن اپنے جلو میں نت نئے فتنے لئے جلوہ گر ہو رہا ہے، اور ہر رات اپنے ساتھ آزمائشوں کی نئ ظلمت لئے چلی آرہی ہے، تسبیح کا دھاگہ ٹوٹ جانے کے بعد جس طرح دانے گرتے ہیں اسی طرح فتنے یکے بعد دیگرے رونما ہو رہے ہیں، ایک فتنہ تھمتا نہیں کہ دوسرا فتنہ سر اٹھالیتا ہے۔

میری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
میں اپنی تسبیحِ روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ

اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا بادروا بالاعمال فتنا کقطع اللیل المظلم یصبح الرجل مؤمنا ویمسی کافرا ویمسی مؤمنا ویصبح کافرا (رواہ الترمذی وأحمد) ترجمہ: اعمال صالحہ میں جلدی کروان فتنوں کے آنے سے پہلے جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح یکے بعد دیگرے آئیں گے، آدمی اس حال میں صبح کریگا کہ وہ مؤمن ہوگا، اور شام اس حال میں کرے گا کہ وہ ایمان سے محروم ہو چکا ہوگا، دنیا کی حقیر متاع کے عوض وہ اپنا دین وایمان بیچ چکا ہوگا۔

ان ہی فتنوں میں ایک بہت تیزی سے پھیلنے والا فتنہ ــــ جس نے نسل نو کے ایمان کو کمزور کردیا، یاد الٰہی سے اُنہیں غافل کردیا، عشق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چنگاری کو بجھادیا، ان کے قیمتی اوقات کو ضائع کردیا، اور انہیں فضول و لایعنی کاموں میں مصروف کردیا ــــ وہ چائنا سے ۲۰۱۶ میں لانچ ہونے والا اَیپ ہے جسے "ٹِک ٹاک" کہا جاتا ہے، جس نے صرف دو سال کے قلیل عرصہ میں وہ طوفانِ بدتمیزی بپا کیا جو پچھلے ۵۰ سال میں یوٹیوب اور فیس بک بھی نہ کرسکے، ذرائع کے مطابق دنیا کے ۱۵۰ ممالک جسے استعمال کررہے ہیں، جس کے صارفین کی تعداد ۱۵۰۰ ملین سے زائد بتلائی گئی ہے۔

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

دراصل یہ یہودیوں کا بنایا ہوا وہ ایپ ہے جس کا مقصد صرف اور صرف اسلام کو نشانہ بنانا یہی وجہ ہے کہ اس میں سوائے یہودیت کے اسلام، مسلمان، اور تعلیمات اسلامیہ، اور دیگر مذاہب کی مقدس ہستیوں کا مذاق اُڑایا گیا، اس کے علاوہ اس میں اور بھی مفاسد ہیں، چند ایک کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔اس ایپ میں جہاں خاص کر علماء اسلام کو نشانہ بنایا گیا کہ لڑکے لڑکیاں کسی مشہور عالمِ دین کے بیان پر ہونٹ ہلا کر ان کے بیان کی نقالی کر کے تعلیماتِ اسلامیہ کا مذاق اڑاتے ہیں، تو وہیں اس کے ذریعہ معصوم بچوں کو نوجوان بچیوں کی گندی تصاویر دکھائی جاتی ہے اور فحش گفتگو سنا کر ان کے ذہنوں کو غلط رخ دیا جاتا ہے، جس کے بعد یہ بچے ان ہی کی نقل اتارنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۲۔مزید یہ کہ اس میں بے ادبی و بدتمیزی اپنے عروج پر ہے، اور اس ایپ میں عورتوں کو گانوں کے سر پر تھرکتے، اور تبلے کی تھاپ پر ناچتے، اور نوجوان بچوں کو موسیقی کی تار پر جھومتے دکھایا جاتا ہے، حتی کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ٹک ٹاک یوزرس فحاشی وعریانیت میں بالی ووڈ ایکٹرز سے بھی آگے نکل چکے ہیں۔

۳۔تکلیف دہ بات تو یہ ہے کہ اس ایپ کے استعمال میں زیادہ ملوث ہماری وہ مسلم لڑکیاں ہیں جو باپ کا غرور، بھائی کی عزت، اور گھر کی ملکہ تھی، جسے اسلام نے وہ تمام حقوق عطا کئے جس سے وہ یکسر محروم تھی، جس کی حفاظت کی خاطر اسے مسجد جانے سے، اذان واقامت کہنے سے، بلند آواز سے تلبیہ پڑھنے سے، اور اونچی آواز میں قرآن کی تلاوت کرنے سے روک دیا گیا تھا، اب یہ بنت حوا میک اپ کر کے نیم برہنہ لباس پہن کر اس طرح منظر عام پر آتی ہیں کہ اللہ کی پناہ! پھر یہ ہوس کے بھڑیئے اپنے ہوس بھری نگاہوں سے بنت حوا کے جسم کا مشاہدہ کر کے اپنی خواہشات کی تکمیل کرتے ہیں، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صنفانِ من أهل النار لم أرهما، قومٌ سياطٌ كاذناب البقرِ يضربون بها الناس ، ونساء كاسياتٌ عارياتٌ مائلاتٌ مميلاتٌ رؤوسهن كامثال أسنمة البختِ المائلة لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها، وإنَّ ريحها لتوجد من كذا كذا (رواہ مسلم)

ترجمہ: جہنمیوں کی دو قسمیں ہیں جنہیں میں نے نہیں دیکھا، ایک وہ لوگ جن کے پاس گائے کی دموں جیسے کوڑے ہوں گے، جس کے ذریعہ وہ لوگوں کو مار رہے ہوں گے، اور دوسری، وہ عورتیں ہیں جو لباس پہننے کے باوجود بھی برہنہ ہوں گی خود غیروں کی طرف مائل ہونے والی اور دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے والی ہوں گی ان کے سر بختی اونٹ کی کوہانوں کی طرح ایک طرف جھکے ہوئے ہوں گے، یہ نہ تو جنت میں داخل ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو پاسکیں گی، حالانکہ جنت کی خوشبو اتنی اتنی دور سے آرہی ہوگی۔

۴۔ٹک ٹاک کے فتنے میں صرف ہماری لڑکیاں ہی نہیں بلکہ لڑکے بھی ملوث ہیں، جو اپنی ویڈیو ان لڑکیوں کی ساتھ بناتے نظر آرہے ہیں جو فاحشہ، بدکار اور یہودیوں کی پروردہ ہوتی ہیں، اور اس کو بڑی شان سے forward بھی کیا جاتا ہے، جب کہ ایسے شخص (جو گناہ کر کے لوگوں کو دکھائے) پر لعنت خداوندی ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کل امتی معافی الا المجاھرین۔

۵۔نیز محض شہرت کی خاطر عورت مرد کا لباس پہن کر، اس کی شکل اختیار کر کے اور مرد عورتوں کا لباس پہن کر اور عورتوں کی شکلیں بنا کر، لبسٹک لگا کر بیہودہ ویڈیوز اپلوڈ کرتے نظر آرہے ہیں جب کہ ایسے شخص پر اللہ کی لعنت ہے؛ لعن اللہ المشبھین من الرجال بالنساء و المتشبھات بالرجال من النساء (اللہ نے ان مردوں پر لعنت بھیجی جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں، اور ان عورتوں پر لعنت بھیجی ہے جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔)

۶۔اس سے زنا، ہم جنس پرستی، جھوٹ، دھوکہ دہی اور والدین کی نافرمانی جیسے منفی اثرات لوگوں پر مرتب ہو رہے ہیں۔

۷۔اب اس فتنہ کی زد میں تو عمر رسیدہ لوگ بھی ہے جنہیں اپنی عمر کا تو لحاظ کرنا چاہیئے تھا اور اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا چاہیئے تھا اب وہ اس کو استعمال کر کے اپنے اداکاری کے جوہر دکھانے میں مصروف ہیں۔

الغرض یہودیوں نے دنیا کو اس ایپ کا اتنا دیوانہ اور پاگل بنا دیا کہ اسے اب خدا کی ناراضگی اور تعلیمات اسلامیہ کا ترک تو گوارہ ہے لیکن اس کا ترک ایک لمحہ کے لئے بھی گوارہ نہیں، اسلامی تعلیمات اسے اب دقیانوسی نظر آنے لگی ہیں۔

ایک یہودی مستشرق جس نے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کیا تھا، لکھتا ہے کہ مسلمانوں پر اتنی ہلاکت وبربادی ایک ہزار حملے کرنے سے نہیں آتی جتنی بربادی اس کے اندر شراب وشباب کو پھیلانے سے آتی ہے۔

اس لئے اب ضروری ہے کہ اس کی روک تھام کے لئے انفرادی واجتماعی سطح پر کوشش کی جائے، ورنہ یہ بے حیائی کا طوفان بہت بڑی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتا ہے، ہر شخص اپنا ایک حلقہ اثر رکھتا ہے، اپنے گھر، اپنے محلے، اپنے قبیلہ، اپنی مساجد، اپنی جماعت میں اس آگ کو آگے بڑھنے سے بچائیں۔

والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ یا ایھا الذین امنوا قوا انفسکم وأھلیکم نارا کو مدنظر رکھ کر اپنے بچوں اور بچیوں کو اس سے جہاں تک ہو سکے روکیں اگر باز نہ آئیں تو انہیں مناسب سزا بھی دیں۔

مساجد کے ائمہ، اصلاحی مجالس کے واعظین،، اور دعوت وتبلیغ کے مبلغین اگر پوری دل سوزی کے ساتھ

اس ایپ کے دنیاوی واخروی نقصانات لوگوں کے سامنے بیان کریں، اور صحافی واہل قلم مجلّات واخبارات کے صفحات پر ''ہوش باش'' کی صداؤں کو عام کرنے لگیں تو یہ فتنہ تھم سکتا ہے، اور ایک صالح معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔اسی طرح اس ایپ کے خلاف آواز بلند کی جائے اور حکومت سے اس پر پابندی لگانے کی اپیل کی جائے اس لئے کہ جس معاشرہ میں برائی کے خلاف آواز اٹھانے والے نہ رہے تو قدرت کی طرف سے اس کی تباہی میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔

اللہ ہم سب کو توفیق عمل نصیب فرمائے۔آمین!

اصلاحی مضامین

ویلنٹائن ڈے اخلاق سوز بھی اور ایمان سوز بھی

مولانا محمد ریاض منچریال

ویلنٹائن کی جھوٹی محبت کا انجام کیا ہوتا ہے اس کو مختصر جملوں میں بیان کیا جاسکتا ہے کہ: عشق کا بھوت نفرت میں بدل گیا، محبت نے پورے خاندان کو موت کے گھاٹ اتار دیا، خوب صورت خاندان کے افراد ایک دوسرے کے جان کے دشمن، محبت کی شادی کا دردناک انجام، خاوند کے ہاتھوں محبوبہ کا قتل، عشق کی خاطر بہن نے بھائی کا قتل کر دیا، محبوبہ محبوب سمیت حوالات میں بند، محبت کی ناکامی پر دو بھائیوں نے خودکشی کر لی، محبت کی ناکامی نوجوان ٹرین کے آگے کود گیا جسم کے دو ٹکڑے، ناکام عاشق نے لڑکی کو والدین چچا اور ایک بچی سمیت قتل کر ڈالا۔ یہ اور اس جیسے جملے وہ اخباری سرخیاں ہیں جو نام نہاد محبت کی بنا پر معاشرتی المیہ بنیں، اور آئے روز اخبارات کی زینت بنتی جا رہی ہیں۔

ویلنٹائن ڈے کیا ہے؟

ویلنٹائن ڈے کے متعلق یہ ایک غیر مستند خیالی داستان پائی جاتی ہے کہ ”تیسری صدی عیسوی میں ویلنٹائن نام کے ایک پادری تھا، جو ایک راہبہ (Nun) کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہوا۔ چونکہ عیسائیت میں راہبوں اور راہبات کے لئے نکاح ممنوع تھا، اس لئے ایک دن ویلنٹائن نے اپنی معشوقہ کی تشفی کے لئے اسے بتایا کہ اسے خواب میں بتایا گیا ہے کہ 14 رفروری کا دن ایسا ہے اس میں اگر کوئی راہب یا راہبہ صنفی ملاپ بھی کر لیں تو اسے گناہ نہیں سمجھا جائے گا“، وہاں سے یہ سلسلہ شروع ہوا اور آئے دن اس کو ہوا دی جا رہی ہے اور اس کو عام کرنے کے لئے ہر طرح کی کوششیں کی جا رہی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ بہت خطرناک وبا ہے جو امت میں پھیلتی جا رہی ہے، یہ ویلنٹائن ڈے نہ صرف اخلاق سوز ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ ایمان سوز بھی ہے، اسی لئے دل چاہتا ہے کہ کچھ معروضات نوجوان نسل کے نام کروں۔

بے حیا تہذیب کی اندھی تقلید:

حیاء وعفت ہی ایک ایسا زیور حیات ہے جس کے بغیر زندگی بے لذت و بے چین بلکہ خاردار درخت کی طرح ہے کیونکہ آج بے حیائی کا طوفانِ بلا خیز انسانیت کا رخ کئے ہوئے ہے، مشرق ہو یا مغرب، شمال ہو یا جنوب، امیر ہو یا غریب، مسلمان ہو غیر مسلم، بلا استثناء سب ایک ہی مصیبت و آفت کے شکنجہ میں کسے ہوئے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان پر ایک ایسی تہذیب حاوی ہوگئی ہے کہ جس نے سرتا پا مادیت کے آغوش میں جنم لیا ہے، اس کی حکمت علمی وحکمت عملی دونوں کی فلک بوس عمارتیں غلط بنیادوں پر قائم ہیں، اس کا فلسفہ، اس کا سائنس، اس کا اخلاق، اس کی معاشرت، اس کا قانون وغیرہ ایک غلط نظریہ و نقطہ سے چل کر غلط رخ پر ترقی کرتے چلے گئے ہیں، اور ہلاکت کی آخری حد تک پہونچ گئی ہے، لیکن اس کے باوجود بھی مشرقی اقوام مغربی تہذیب کی تقلید میں ہی اپنی کامیابی وکامرانی سمجھتے ہیں اور اس کو اپنا معبود اصلی مانتے ہوئے اس کی اندھی اتباع میں سرگرم ہیں؛ یہ دراصل مغرب نے بہت سوچی سمجھی سازش کے ساتھ منصوبہ بندی اور لائحۂ عمل کے تحت کرتا ہوا آرہا ہے اس کی تصدیق لارڈ میکالے (LORD MACAULAY 1800-1859) کے اس بیان سے ہوتی ہے جو اس نے ہندوستان کے نئے نصاب تعلیم کے تشکیل کے موقع پر کہا تھا:

"so that a generation may arise,which is Indian in birth and English in thought"

مطلب یہ ہے کہ یہاں سے ایسی نسل اٹھے جو کہ پیدائش کے اعتبار سے ہندوستانی جو رفکر کے اعتبار سے انگریز ہو۔

تہذیب یا خرافات؟

آج قوم نت نئے روایات میں پھنس کر اپنے قیمتی اوقات کو ضائع کر رہی ہے، کبھی NEW YEAR کے نام سے تو کبھی ویلنٹائن ڈے VALENTINE DAY کے نام سے، اور ویلنٹائن ڈے نے تو بلا لحاظ مذہب وملت پوری قوم وملت میں شر انگیزیاں اور فتنہ سامانیاں پیدا کر رکھی ہیں، اور اس روز ایسی گھناؤنی، اخلاق سوز، حیاء سوز، ایمان سوز حرکتیں منظر عام پر آتی ہیں کہ اس کو کوئی بھی معاشرہ قبول نہیں کرسکتا، وہ مرد وزن کا اختلاط، آپس میں عشقیہ کارڈز تقسیم کرنا اور ایک دوسرے سے اظہار محبت کرنا، نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا پارٹیوں میں شرکت کرنا، ناچ گانے، اور نشہ میں سرمست ہو کر رات دیر گئے تک محفلوں کو آباد کرنا وغیرہ، یہ ساری وہ چیزیں ہیں جو کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہیں ہے۔

ذرا آنکھ تو کھول:

وہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں جو پارٹیوں میں شرکت کو باعث فخر تصور کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مخلوط تعلیم (Combine study) میں اس طرح کرنا بے انتہاء ضروری ہوتا ہے، اور اظہار محبت کرنا کوئی جرم نہیں ہے وغیرہ وغیرہ، اس طرح کے دعوے کرنا گویا معمولی تنکے کے سہارے ندی پار کرنے اور ریت کا پہاڑ قائم کرنے کے مرادف ہے، حقیقت یہ ہے کہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں جس چیز کے اندر اپنی کامیابی وکامرانی کو تصور کررہے ہیں وہ دراصل کوئی خوبی نہیں ہے، بلکہ خرابی ہے، کیونکہ دنیا کی ہر خوبی جھوٹی ہے، کیونکہ ہر خوبی کے ساتھ کوئی نہ کوئی خرابی لگی ہوئی ہے، اور اگر یہ سمجھیں کہ ویلنٹائن ڈے نہ منائیں تو ترقی نہیں ہوگی، اور مغرب کی تہذیب کی اتباع وتقلید نہیں کریں گے تو کامیاب نہیں ہوں گے تو یہ سوچ غلط فہمی پر مبنی ہے، کیونکہ علم نہ مغربی ہے نہ مشرقی، علمی انکشافات وتحقیقات ایک ایسے سلسلہ کی کڑی ہیں جس کی کوئی انتہاء نہیں ہے، اور جس میں تمام بنی نوع انسان برابر کے شریک ہیں، ہر عالم اور سائنٹسٹ ان ہی بنیادوں پر اپنی تحقیقات کی بنیاد رکھتا ہے جو اس کے پیشرؤں نے قائم کی تھیں، خواہ وہ کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو، اسی طرح ایک انسان سے دوسرے انسان، ایک نسل سے دوسری نسل، ایک تہذیب سے دوسری تہذیب تک، تعمیر وترقی کا کام برابر جاری رہتا ہے، یعنی ترقی کسی قوم کی جاگیر نہیں ہے بلکہ جن لوگوں نے محنت کی، ترقی انہیں کے نام ہے، اور جو محنت سے جی چرائے زوال ان کا مقدر ہے۔

مغرب خود اس بلا سے دوچار ہے:

اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو اس وقت خود یورپ اپنے کئے پہ نادم وشرمندہ ہے، جنہوں نے اس شجر خبیث کو اپنے ہاتوں سے لگایا تھا، اس کے خار اُنھیں چبھنے لگے ہیں، اس نے زندگی کے ہر شعبہ میں ایسی الجھنیں پیدا کی ہیں جس کی تلافی اب اس تہذیب سے ناممکن ہے، کیونکہ وہ جس شاخ کو کاٹتے ہیں اس کی جگہ بہت سی خاردار شاخیں نکل آتی ہیں، سرمایہ داری کو ہاتھ لگایا تو اشتراکیت نمودار ہوگئی، اجتماعی مسائل کو حل کرنا چاہا تو نسوانیت اور برتھ کنٹرول کا وجود ہوا، اب خود اہل مغرب کسی امرت رساں کے منتظر ہیں کیونکہ ایک خبر کے مطابق چرچ نے ان خرافات کی ہمیشہ مذمت کی اور اسے جنسی بے راہ روی کی تبلیغ پر مبنی قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ چند سال پہلے بھی عیسائی پادریوں نے اس دن کی مذمت میں سخت بیانات دیئے۔ بنکاک میں تو ایک عیسائی پادری نے بعض افراد کو لے کر ایک ایسی دکان کو نذر آتش کردیا جس پر ویلنٹائن کارڈ فروخت ہورہے تھے۔

والدین اور قوم کے رہبروں کی ذمہ داری:

اب آپ کا یہ فرض بنتا ہے کہ اسکول، کالج اور یونیورسٹی میں پڑھنے والی نئی نسل کی اخلاقی تربیت کریں، انھیں حیا باختہ تفریحات کے مضرات سے آگاہ کریں کہ یہ ویسٹرن کلچر ہمارے مذہب اور ہماری معاشرتی اقدار کے صاف ستھرے چہرے کو مسخ کرنا چاہتی ہے۔حکومت، میڈیا اور تعلیمی اداروں کے منتظمین و اساتذہ کے ساتھ ساتھ والدین کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی اچھی تربیت کریں۔انھیں ان بے ہودہ تہواروں سے لاتعلق رہنے کی تلقین کریں اور ان دنوں ان کی خصوصی نگرانی بھی کریں کہ کہیں وہ شیطان کے جال میں پھنس کر کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھیں۔

یاد رکھیں! اگر یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا اور تمام ذمہ داران اخلاقیات کے دشمن ان تفریحی تماشوں سے صرفِ نظر کرتے رہیں تو آج مغرب جس صورتِ حال سے دو چار ہے وطنِ عزیز میں اس کے پیدا ہونے کو کوئی نہیں روک سکتا۔ ہماری آبادی کی اکثریت اس آگ کی تپش سے اب تک محفوظ ہے۔ابھی وقت ہے کہ آگے بڑھ کر چند جھاڑیوں کو لگی آگ کو بجھا دیا جائے، ورنہ یہ آگ پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی......!

امید کی ایک آخری کرن:

خلاصہ یہ ہے کہ جب وہ خود کسی امرت رساں کے منتظر ہیں تو ہماری نوجوان نسل ان کی تہذیب کی تقلید و اتباع کر کے کسی بھی طرح کی کامیابی حاصل نہیں کر سکتی، ہاں اب وقت ہے کہ مسلمان اہل مغرب کو یہ بتائیں کہ تمہارا مطلوب قرآن و حدیث میں مضمر ہے،خود ان کی اتباع کرنے کے بجائے ان کو اسلامی تہذیب کی اتباع کی دعوت دیں۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنے کشت ویراں سے
ذرا نم ہو، تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

اصلاحی مضامین

اسلام میں نکاح بہت آسان ہے......!

مولانا محمد انصار اللہ قاسمی*

نکاح ہر انسان کی فطری اور طبعی ضرورت ہے، اس کے بغیر انسانی زندگی کا تصور نامکمل اور ادھورا ہے، اس لیے جب حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مکمل ہوئی تو آپ اپنے لیے ایک رفیقِ زندگی اور شریکِ حیات کی ضرورت محسوس کرنے لگے تاکہ دلجوئی اور دلچسپی کا کچھ سامان ہو سکے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں پسلی سے حضرت بی بی حوا رضی اللہ عنہا کو پیدا فرمایا، اس طرح عورت مرد کے بدن کا ایک لازمی اور اٹوٹ حصہ قرار پائی۔

اس طبعی اور فطری ضرورت کی تکمیل کے لیے مختلف مذاہب اور معاشروں نے الگ الگ طریقے ایجاد کیے کسی مذہب اور سماج میں اس ضرورت سے استفادہ بالکل ممنوع قرار دیا گیا، تجرد اور برہما چاری کی زندگی کو پسند کیا گیا، یہ پابندی چوں کہ فطرت کے خلاف بغاوت تھی، اس لیے اس ممانعت کی وجہ سے نت نئی بیماریاں اور برائیاں اس سماج اور اس مذہب کے پیروکاروں میں پیدا ہونے لگیں، پھر وہ لوگ چور دروازوں سے اپنی اس طبعی و فطری ضرورت کو پورا کرنے لگے اور یہ سب کچھ مذہب کے لبادہ میں مقدس مذہبی شخصیات سے ہونے لگا، کسی مذہب اور سماج میں عورت سے استفادہ کے سلسلہ میں اتنی چھوٹ اور آزادی دے دی گئی کہ عورت از خود بے قیمت اور بے حیثیت ہو کر رہ گئی، سامان کی شکل میں اس کی خرید و فروخت ہونے لگی، مالِ وراثت کی طرح وہ افرادِ خاندان میں تقسیم ہونے لگی، عورت سے استفادہ کی اس غیر مشروط اور لامحدود اجازت کی بناء جو سماجی نقصانات اور تباہ کاریاں ہو سکتی ہیں اس کا بہت کچھ اندازہ یورپ و مغرب کے آزدانہ ماحول و معاشرہ سے لگایا جا سکتا ہے، جہاں مرد و عورت کے آزادنہ اختلاط کی وجہ سے نکاح کا مقدس رشتہ اور ازدواجی بندھن محض ایک ضابطہ کا عمل اور رسمی کاروائی ہو کر رہ گیا، ماں، بہن، اور بیٹی کا تقدس بری طرح پامال ہو گیا، عفت و عصمت کی چادر تار تار ہو گئی، مرد و زن کے اس آزادانہ اختلاط نے بے حیائی، فحاشی اور عریانیت کے طوفان بدتمیزی کا بند کھول دیا، جنسی انارکی پھیل گئی، ایسی ایسی برائیاں اور بیماریاں پھیلنے اور پنپنے لگیں جو کسی کے خیال و تصور

* آرگنائزر، مجلس تحفظ ختم نبوت تلنگانہ و آندھرا

میں بھی نہیں تھیں، ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' کے مصداق یہ بیماریاں بجائے کم ہونے کے ان کا فیصد برابر بڑھتا جا رہا ہے۔

اسلام ایک فطری مذہب ہے، عورت سے استفادہ کے معاملہ میں اس نے انسان کو فطرت کا باغی نہیں بنایا، بلکہ اس کے متعلق انسان کے جو فطری تقاضے اور ضرورتیں ہیں اس کی تکمیل کی طرف توجہ دلائی اور اس کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی، البتہ اس کے لیے اسلام نے افراط وتفریط سے ہٹ کر عدل واعتدال کا راستہ اختیار کیا، اسلام میں عورت سے استفادہ نہ بالکل ممنوع قرار دیا گیا کہ اس کے لیے چور دروازوں سے آنا پڑے، اور نہ اس بارے میں اتنی کھلی آزادی اور چھوٹ دیدی گئی کہ تہذیب وشرافت منہ چھپانے لگے اور انسانی عظمت وفضیلت سر پیٹنے لگے، اسلام میں ایک اجنبی عورت کے ساتھ قانونی وشرعی طور پر تعلقات قائم کرنے اور ایک ساتھ زندگی کا سفر طے کرنے کو ''نکاح'' کا نام اور عنوان دیا گیا ہے، نکاح سماج کی رسم وروایت نہیں بلکہ ایک شرعی عبادت ہے، جس طرح اور عبادتوں میں خدا تعالیٰ کی حمد وثنا ہوتی ہے اور قرآن مجید کی آیات پڑھی جاتی ہیں اسی طرح نکاح میں بھی یہ سب چیزیں ہوتی ہیں، اسلام میں نکاح کو عبادت کہہ کر اس کو بہت ہی آسان اور سہل کر دیا گیا، جیسے نماز کی ادائیگی کے وقت پاک صاف حالت میں تھوڑی دیر وضو کر لینے کے بعد مختصر سے وقت میں نماز کا عمل پورا ہو جاتا ہے، اسی طرح مرد وعورت کے دو بول اور دو گواہوں کی حاضری سے نکاح کا عمل تکمیل پاتا ہے، جیسے عبادات کے موقع پر کوئی شور شرابہ اور ہنگامہ نہیں کیا جاتا اور نہ کسی چیز کو اپنی ناک کا مسئلہ اور معیار کا پیمانہ بنایا جاتا ہے، اسی طرح نکاح کے موقع پر بھی شور وشرابہ، ہنگامے، اور کسی چیز کو اپنی ناک اور معیار کا مسئلہ بنانے کی ضرورت نہیں۔

اسلام میں نکاح کتنا آسان ہے؟ اس کی عملی مثالیں اسلامی تاریخ میں ملتی ہیں، مثلاً صحابیٔ رسول حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ ایک مرتبہ رسول اللہا کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے کپڑوں پر ایک خاص طرح کا رنگ لگا ہوا تھا، آپ انے پوچھا کہ کیسا رنگ ہے؟ صحابیٔ رسول نے مسکرا کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرا نکاح ہو گیا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ولیمہ کرو، اندازہ لگایئے کہ آج ہم معمولی سی معمولی اور چھوٹی سی چھوٹی تقریب کیوں نہ ہو، ہم اپنے پیر ومرشد یا جن سے ہمارا عقیدت ومحبت کا تعلق ہے اس کی تشریف آوری ضروری سمجھتے ہیں، ان کے بغیر ہماری تقاریب ادھوری رہتی ہیں، صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے شیدائی اور فدائی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارۂ ابرو پر اپنی جان، اپنی آل اور اپنا مال سب کچھ قربان کرتے تھے، کسی دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کا دیدار نہ ہو تو دوسرے دن بے چین و بے قرار ہو کر

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوجاتے ،اس بے انتہاء شدید محبت وعقیدت اور گہرے تعلق کے باوجود صحابی رسول حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ نے اپنے نکاح میں رسول اللہا کو شرکت کی زحمت نہیں دی اور نہ اس کو ضروری سمجھا ، بلکہ روزمرہ کی عبادت کی طرح نکاح کی عبادت کو بھی بجالایا ، پھر یہ کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کے بتانے پر اپنی خفگی وناراضگی کا اظہار بھی نہیں فرمایا ،صرف ولیمہ کرنے کا حکم دیا ،ایک دوسرے صحابیؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اپنے لیے رشتہ کی تلاش میں اپنے دوست کے ساتھ صحابیؓ کے گھر پہونچے ، صاحبِ خانہ نے اس صحابیؓ کے بجائے ان کے دوست سے اپنی لڑکی کی نسبت طے کرانے پر رضامندی ظاہر کی ، چنانچہ اسی وقت صحابیٔ رسول کے دوست کا نکاح کردیا گیا ،یعنی ’’چٹ منگنی پٹ بیاہ‘‘ کی عملی تصویر ،اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ سب سے زیادہ خیر وبرکت والا نکاح وہ ہے جس میں سب سے کم خرچ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ نکاح کو اتنا آسان کرو کہ زنا کرنا مشکل ہوجائے ۔

غرض یہ کہ نکاح کو آسان بنانے سے متعلق اسلامی تعلیمات پر عمل آوری کی وجہ سے مسلم معاشرہ ایک مثالی معاشرہ تھا ،جس میں خواتین کی عفت وعصمت باقی تھی ،حیا وپاکدامنی کا دوردورہ تھا ، بیٹیوں کی پیدائش اور پرورش کوئی مسئلہ نہ تھی ، آج چوں کہ نکاح کے موقع پر اسلامی تعلیمات سے زیادہ سماجی رسوم وروایات کو اہمیت دی جانے لگی اس لیے مسلم معاشرہ کی تباہی وبربادی ہم سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں ۔

اس وقت مسلم سماج جس تباہی کے دہانہ پر کھڑا ہے ،اس کی اہم وجہ نکاح کو مشکل بنانا ہے ،نکاح اس لیے مشکل بن گیا کہ اس کو عبادت کے بجائے زمانہ اور سماج کی رسم وروایت کا درجہ دیا گیا ہے ،ظاہر ہے کہ جو چیز اپنی اصل حقیقت وحیثیت سے الگ ہوکر رسم ورواج کی شکل اختیار کرلیتی ہے تو رسم ورواج کی تمام خرابیاں اور تباہ کاریاں اس میں پیدا ہوتی ہیں ، چنانچہ نکاح رسم ورواج کا درجہ پانے کے بعد ’’جہیز‘‘ جیسی لعنت کو اس میں اہم اور مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی ، مسلم معاشرہ میں یہ لعنت داخل ہونے کی بناء پر نکاح کا جائز اور آسان راستہ انتہائی مشکل بن گیا ، علماء اسلام نے ’’جہیز‘‘ کو رشوت قرار دیا جس کے لینے اور دینے والے دونوں جہنمی ہیں ۔ اسلام نے نکاح کو جتنا آسان اور سادہ بنایا تھا سماج کے رسوم ورواج نے اس کو اتنا ہی مشکل اور پیچیدہ بنادیا ، آج ایک معمولی اور متوسط درجہ کا آدمی بھی اگر اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہے تو لاکھوں کے بجٹ کے ساتھ وہ قدم اٹھا سکتا ہے ، فرسودہ اور غیر اسلامی رسوم کی بناء پر نکاح کا آسان طریقہ مشکل ہونے سے جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیے بدکاری اور بے حیائی کا راستہ اختیار کیا جارہا ہے ، بین مذہبی شادیاں ہونے لگیں ، لومیاریج اور کوٹ میاریج کے شرمناک واقعات رونما ہونے لگے ، جنسی تسکین کے لیے عیاشی اور جسم فروشی کے اڈّوں پر ملت کی بہو بیٹیاں

نظر آنے لگیں، ملت اسلامیہ کی عزت وآبرو کو اس طرح سرِ بازار نیلام ہوتے ہوئے شاید آسمان نے کبھی دیکھا ہو؟ اس افسوس ناک صورتحال کے لیے صرف ایک فرد اور خاندان ہی نہیں بلکہ پورا سماج ذمہ دار ہے۔

اس وقت جہیز کی لعنت ملت اسلامیہ کے لیے رستا ہوا ناسور بنی ہوئی ہے، یہ نحوست مسلم معاشرہ میں اسلامی اقدار اور اخلاقی تعلیمات کو گھن کی طرح کھا رہی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے بغاوت کر کے مسلمان بہنوں کی عزت وآبرو سے کھیلا جا رہا ہے، امت مسلمہ کی کتنی ایسی دوشیزائیں ہیں جہیز کے اس ناسور کی وجہ سے جن کا کنوارہ پن اور بانکپن ختم ہو گیا، ان کے ہاتھ تو پیلے نہیں ہو سکے لیکن سر کے بالوں میں سفیدی چمکنے لگی، کتنی ایسی سہاگن ہیں جہیز کے حریص اور لالچی افراد نے ان سے ان کا سہاگ چھین لیا، ملت کی کتنی مائیں ہیں جو سامان جہیز نہ ہونے پر راتوں کو تکیوں میں منہ چھپا کر روتی ہیں کتنے ایسے باپ ہیں جو اپنی جوان لڑکیوں کی شادی کی فکر میں اپنی نیند بے چین و بے قرار کروٹوں کی نذر کر دیتے ہیں۔

غور کیجئے! جہیز، لین دین، اور گھوڑے جوڑے کی رقم جیسے بے جا اور بے رحم رسومات نے کتنی دوشیزاؤں کی تمناؤں کا خون کر دیا، کتنے والدین کی آرزوؤں اور امیدوں کا گلا گھونٹ دیا، ہزاروں نوجوان بن بیاہی لڑکیاں آج بھی گھروں میں بیٹھی اپنے مقدر کے جوڑے کو تک رہی اور ترس رہی ہیں، نئی نویلی دلہنوں کو زندہ جلانے کے دسیوں واقعات روزانہ پیش آتے ہیں، کیا فرق رہ گیا زمانہ جاہلیت کی دختر کشی اور آج کے جدید دور جاہلیت کی ''دختر کشی'' میں؟؟ صرف اتنا ہی تو ہے کہ اس وقت لڑکیاں زندہ درگور کی جاتی تھیں، آج زندہ جلائی جاتی ہیں!

ضرورت ہے کہ ملت کے با اثر، باحمیت اور دردمند وخیر خواہ اصحاب واحباب آگے آئیں اور جہیز کی لعنت کو جڑ پیڑ سے ختم کرنے اور نکاح کو آسان بنانے کے لیے فیصلہ کن اقدام کریں، اس کے لیے حسب ذیل تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں: ۱) نکاح میں کھانے کے رواج کو ختم کیا جائے۔

۲) مساجد میں نکاح کی تقاریب منعقد کی جائیں۔

۳) مساجد ہی سے رخصتی عمل میں لائی جائے۔

۴) جہیز کا مطالبہ کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کی جائے۔

۵) شادی سے پہلے اور بعد کی تمام رسموں سے اجتناب کیا جائے۔

۶) ولیمہ بھی بالکل سادہ ہو کہ ایک ڈش رکھی جائے۔

۷) شادی کے رقعے ایک دم بھڑکیلے اور دیدہ زیب نہ رکھے جائیں۔

۸) اسکولس، کالجس اور مساجد میں جمعہ کے اجتماعات کے موقع سے نوجوانوں سے جہیز نہ لینے کا عہد لیا جائے۔

اصلاحی مضامین

شخصیت کی کمزوریاں اوران کا تدارک

از: محترمہ بشریٰ ناہیداورنگ آبادی

انسانی شخصیت کی خوبیاں:

سچائی، محنت ومشقت، توجہ ویکسوئی، صفائی، چستی ومستعدی، مثبت رویہ، انصاف پسندی، اللہ کی فرماں برداری قناعت، حیا، خلوص و وفا، صبر توکل، خوش مزاجی، خدمت ومحبت، ہمدردی، اعتدال ومیانہ روی، وقت کا صحیح استعمال نرمی ورحمدلی، چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کا احترام، کفایت شعاری، عفودرگزر، ایمان داری، امید ویقین۔

انسانی شخصیت کی کمزوریاں:

جھوٹ، سستی وکاہلی، لاپرواہی، جھگڑالوپن، بے انصافی، بے حیائی، بے صبری، عجلت پسندی، چڑ چڑاپن غیبت، بے مقصد گفتگو، وقت کا ضیاع، ہٹ دھرمی، ضد، خود پسندی، غرور وتکبر، حسد، بخل، بے وفائی، احسان فراموشی، بے رحمی، تعصب وکینہ، خودغرضی، وعدہ خلافی، فضول خرچی، سہل پسندی۔

مندرجہ بالا اوصاف کو سامنے رکھ کر سنجیدگی سے غور کریں کہ کون سے اوصاف آپ میں ہیں اور کون سے نہیں۔ احتساب کرتے وقت انصاف کے ساتھ اپنی غلطیوں کو محسوس کریں۔ خامیوں کا احساس ہوگا تب آپ ان کو دور کرنے کی کوشش کریں گے ورنہ خامی آپ سے چمٹی رہے گی۔

انسان جو نیکی کرے گا اس کا پھل اسی کے لئے ہے اور کوئی بدی کرے گا اس کا وبال اسی پر ہوگا۔ اس لئے اخلاقی برائیاں اور خراب عادتیں مضر ہیں، گناہوں اور کمزوریوں کا احساس وشعور حاصل کرنا اور تدارک کے لئے مسلسل جدوجہد کرتے رہنا کامیاب زندگی کا زرین اصول ہے۔

انسانی عادتوں کے متعلق ماہر نفسیات کا کہنا ہے کہ ”عادت اگر کسی کے اندر مضبوطی سے جڑ پکڑ لے تو اس کا دور ہونا دشوار ہوتا ہے“ لیکن آپ اپنی نگاہ بُری عادت کے شدید نقصان پر رکھیں تو اس سے پیچھا چھڑا سکتے ہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں دیکھیں تو تمام اخلاقی اچھائیاں ایمان کا تقاضا ہیں اور تمام خرابیاں ایمانی کمزوری کی

علامت ہیں۔جس ایمان قوی ہوگا، وہ اپنے اندر اچھائیاں کو جمع کرنے کی فکر اور تگ ودَو میں لگا رہے گا اور جس کا ایمان کمزور ہوگا تو وہ برائیوں کو دور کرنے کی فکر نہیں کرے گا۔

کمزوریوں کے تدارک کے لئے یہاں چند تدبیریں بتائی جارہی ہیں:

(۱) اخلاص۔(۲) اصلاح۔(۳) صبر۔(۴) وقت کا صحیح استعمال۔(۵) مطالعہ۔(۶) سیکھنا سکھانا۔ (۷) خوش اخلاقی۔(۸) حقوق کی ادائیگی۔(۹) دعا۔

خدا تعالیٰ سے ہمشہ بھلائیوں کو اپنانے اور برائیوں کو ترک کرنے کی توفیق مانگا کریں۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو وہ چیز ضرور عطا فرماتا ہے جو وہ خلوص و یقین کے ساتھ طلب کرتے ہیں۔

دل سے مانگے تو کیا نہیں ملتا
ہر دعا بے اثر نہیں ہوتی

دعا کے ساتھ عمل پر توجہ دیں محض دعاؤں سے شخصیت میں انقلاب برپا نہیں ہوگا۔بندے کی محنت شامل ہو تو خدا کی مدد حاصل ہوتی ہے۔

یاد رکھئے! اگر آپ اپنی کمزوریوں پر محض جلتے کڑھتے رہے تو ان سے پیچھا نہیں چھڑا پائیں گے۔ ہر انسان اپنے اندر انفرادیت رکھتا ہے،اس کی انفرادیت کو چار چانداس وقت لگتے ہیں جب وہ اپنی خامیوں پر قابو پالیتا ہے اور خوبیوں کو جلا بخشتا ہے،تب ہی وہ ایک مثالی، جاذب نظر، منفرد و مؤثر شخصیت کے روپ میں نکھرتا اور اُبھرتا ہے۔

(بقیہ صفحہ:۷۴ سے)

حضرت مولانا کا شمار اس دور کے صف اول کے علماء میں ہوتا تھا،آپ کی وفات پورے عالم اسلام کے لئے علم وادب کا ایک نا قابل تلافی نقصان ہے،خصوصاً دار العلوم ندوۃ العلماء اور ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی مدظلہ العالی کو جو صدمہ اور کرب آپ کی وفات سے پہنچا ہے اس کا خیال آتے ہی دل مغموم ہوا جاتا ہے۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ استاد محترم کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، زلّات کو حسنات سے مبدل فرمائے، ان کے برادرِ بزرگ حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی مدظلہ العالی اور صاحبزادہ حضرت مولانا سید جعفر حسنی ندوی اور تمام ہی پسماندگان ولواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین۔

فکرونظر

۲۰/فروری: سماجی انصاف کا عالمی دن

مولانا محمد عبدالرشید طلحہ نعمانی*

ہر سال 20/فروری کو بین الاقوامی سطح پر "یوم سماجی انصاف" منایا جاتا ہے، اِس دن کو منانے کا مقصد بین الاقوامی برادری کی طرف سے غربت کے خاتمے، انصاف کے حصول اور تعلیم و روزگار کے بھرپور و یکساں مواقع فراہم کرنے کے اقدامات کو اُجاگر کرنا ہے۔

نومبر 2007ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے قرارداد منظور کرتے ہوئے 20/فروری کو باقاعدہ طور پر یہ دن منانے کا اعلان کیا اور 2009ء میں پہلی مرتبہ اِس کو بین الاقوامی سطح پر منایا گیا۔ اس موقع پر اقوام متحدہ سے مربوط جملہ ممالک، سماجی انصاف سے متعلق تقاریب منعقد کرتے ہیں؛ جن میں دنیا کے مختلف معاشروں میں انصاف کے تقاضوں کو اجاگر کرنے اور وہاں کے شہریوں کے ساتھ ہونے والے ظلم وستم کے خلاف آواز اٹھانے کی اپیل کی جاتی ہے، علاوہ ازیں دنیا بھر میں مختلف کانفرسوں، سیمیناروں، ریالیوں اور میڈیا کے ذریعہ سماجی انصاف کا شعور اجاگر کیا جاتا ہے۔

آج اگر سنجیدگی کے ساتھ غور کیا جائے اور عالمی منظرنامے پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوگا کہ دنیا کے بیشتر ممالک نہ صرف اپنی عوام کو بنیادی حقوق فراہم کرنے سے قاصر ہیں؛ بلکہ ان ممالک میں بیرونی قوتوں کی روز بروز بڑھتی ہوئی مداخلت وجارحیت وہاں کے باشندوں کے لیے سوہان روح بنی ہوئی ہے پھر نوجوان نسل کی بے روزگاری، فقیروں اور مسکینوں کی فاقہ کشی، فضاءِ امن کو مکدر کرنے والوں کی فتنہ انگیزی، عدالتوں میں انصاف کے نام پر ہونے والی بدعنوانی اس پر مستزاد ہے۔ محض زبان کے ذریعہ یہ کہنا کتنا دل کش ہے کہ سماجی انصاف کا عالمی دن سب کو یکساں انصاف فراہم کرنے کے لیے منایا جاتا ہے؛ لیکن حقیقت میں ایسا کہاں تک سہی ہے؟ آج کمزور کو انصاف کہاں ملتا ہے؟ مظلوم کی فریادرسی کون کرتا ہے؟ محتاجوں کو سہارا کون دیتا ہے؟

سماجی انصاف کا مطلب تو یہ ہونا چاہیے کہ معاشرے میں بسنے والے تمام افراد کو ادنی اور اعلی کے

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

امتیاز، رنگ ونسل کی تفریق اور مذہب ومسلک کی ترجیح کے بغیر یکساں اور مساوی حقوق حاصل ہوں، کسی کو کسی پر کوئی فضیلت اور فوقیت نہ ہو؛ مگر افسوس صد افسوس کہ سماجی انصاف کا موجودہ تصور اور عدل ومساوات کا عصری رجحان، برائے نام محض انصاف کی دہائی دینے اور عوام کو گمراہ کرنے کے لیے موقع بہ موقع منظر عام پر لایا جاتا ہے اور زبانی جمع خرچ کے ذریعہ لوگوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔اس کے برعکس تاریخ اسلام کے وہ سنہرے ادوار لائق دید اور قابل تقلید ہیں؛ جن میں عالم انسانیت کی فصیل پر سدا عدل وانصاف کا پرچم لہراتا نظر آتا ہے۔

بستیاں کب ویران ہوتی ہیں:

کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک طوطے طوطی کا گزر کسی ویرانے سے ہوا' وہ دم لینے کے لیے ایک بلند قامت درخت کی شاخ پر بیٹھ گئے۔طوطے نے طوطی سے کہا اس علاقے کی ویرانی کو دیکھ کر لگتا ہے کہ الوؤں نے یہاں بسیرا کیا ہوا ہے۔اتفاق سے ساتھ والی شاخ پر الو بیٹھا تھا اس نے یہ سن کر اڑان بھری اور ان کے برابر میں آ کر بیٹھ گیا۔علیک سلیک کے بعد الو نے طوطے طوطی کو مخاطب کیا اور کہا آپ میرے علاقے میں آئے ہیں، میں بے حد ممنون ومشکور ہوں! اگر آپ آج رات کا کھانا غریب خانے پر تناول فرمائیں گے تو ذرہ نوازی ہوگی۔اس جوڑے نے الو کی دعوت قبول کر لی۔رات کا کھانا کھانے اور پھر آرام کرنے کے بعد جب وہ صبح واپس جانے لگے تو الو نے طوطی کا ہاتھ پکڑ لیا اور طوطے کو مخاطب کر کے کہا کہ اسے کہاں لے کر جا رہے ہو یہ میری بیوی ہے۔یہ سن کر طوطا پریشان ہو گیا اور بولا یہ تمہاری بیوی کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ طوطی ہے تم الو ہو،تم زیادتی کر رہے ہو۔اس پر الو ایک وزیر باتدبیر کی طرح ٹھنڈے لہجے میں بولا ہمیں جھگڑنے کی ضرورت نہیں، عدالتیں کھل گئی ہوں گی ہم وہاں چلتے ہیں وہ جو فیصلہ کریں گی ہمیں منظور ہوگا۔طوطے کو مجبوراً اس کے ساتھ جانا پڑا۔جج نے دونوں طرف کے دلائل بہت تفصیل سے سنے اور آخر میں فیصلہ دیا کہ طوطی طوطے کی نہیں الو کی بیوی ہے۔یہ سن کر طوطا روتا ہوا ایک طرف کو چل دیا۔ابھی وہ تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ الو نے اسے آواز دی،تنہا کہاں جا رہے ہو اپنی بیوی کو تو لیتے جاؤ۔طوطے نے روتے ہوئے کہا یہ میری بیوی کہاں ہے عدالت کے فیصلے کے مطابق اب یہ تمہاری بیوی ہے۔اس پر الو نے شفقت سے طوطے کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا یہ میری نہیں تمہاری بیوی ہے۔میں تو تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا تھا کہ بستیاں الوؤں کی وجہ سے ویران نہیں ہوتیں؛ بلکہ اس وقت ویران ہوتی ہیں جب وہاں سے انصاف اٹھ جاتا ہے۔

کسی دانا نے سچ کہا تھا کہ ''جب کبھی دنیا میں کہیں ظلم وناانصافی ہوگی تو اس کی وجوہات میں سے ایک اہم

اور بنیادی وجہ انسانیت کے رشتے سے انسان کی دوری ہوگی اور جب کبھی انسانیت کے اس رشتے کی کمزوریوں کو دور کرنے اور اس کو مضبوطی عطا کرنے کے لیے لوگ اُٹھیں گے تو دنیا کا ایک بڑا حصہ ان کا محافظ بن کر بنی نوع انسان کے لیے ایک نمونہ بن جائے گا‘‘

عصر حاضر میں قوموں کی دردانگیز داستانوں میں کئی ایک ایسی ہیں؛ جنہیں سن کر انسانیت شرمسار ہو جاتی ہے، انصاف پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اور دنیا اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود تنگ دکھائی دیتی ہے۔ مجھے بتایئے کہ دنیا کا وہ کون سا حصہ ہے جہاں آج ظلم وتشدد اور فتنہ وفساد نہ ہو رہا ہو، جبر واستبداد کی حکمرانی نہ ہو، عدل و انصاف کے لیے لوگ محروم نہ ہوں؟ ہر طاقت، ہر ملک ایک دوسرے کو پچھاڑنے کے لیے، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے، ایک دوسرے پر قوت کا بے جا مظاہرہ کر کے کمزوروں، مظلوموں اور نہتوں پر غیر انسانی اور غیر اخلاقی طور پر مسلط ہونے کے لیے بنی نوع انسان کا خون بہا رہا ہے۔

عالمی بگاڑ کا سبب:

دنیا میں اس وقت جو بگاڑ آیا ہوا ہے یہ انصاف اور احسان کے صحیح ناپ تول نہ ہونے کی بناء پر ہے، ترازو نہیں دیکھتی کہ تولنے والا کون ہے اور کیا رکھا گیا ہے؟ ترازو صحیح ہے تو صاف بتا دیتی ہے کہ یہ اتنے سیر ہے، اس کا اتنا وزن ہے، ترازو میں ایک رتی کا فرق نہ ہوگا، چاہے ہیرے جواہرات تُلیں یا خزف ریزے۔

حکومت کرنے والوں، سیاست دانوں، دانشوروں، عالموں، شاعروں، فلسفیوں، مصنفوں، مفکروں، اور ادیبوں کو ترازو ہی کی طرح منصف ہونا چاہیے، اگر امریکہ میں انصاف ہوتا تو اسرائیل کا خنجر عربوں کے سینے میں نہ گھونپا جاتا، برطانیہ میں انصاف ہوتا تو سو برس ہمیں غلام نہ رہنا پڑتا، ہماری جائیدادیں تباہ اور ہماری صنعت مفلوج نہ ہوتی، اور ہمارے سر پر آرے نہ چلائے جاتے، نوآبادیاتی نظام دنیا میں قائم نہ ہوتا، اور اگر آج ہمارے ملک میں انصاف ہوتا تو فسادات نہ ہوتے، شکایتیں نہ ہوتیں، مقدمات عدالتوں میں نہ جاتے، اسٹرائیکیں اور مظاہرے نہ ہوتے، جب انصاف تھا تو تاریخ نے وہ دور بھی دیکھا ہے کہ شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پیتے تھے۔

اگر ہم دنیا کے حالات کا مطالعہ کریں اور مختلف بادشاہوں اور حکمرانوں کے دور حکومت کا جائزہ لیں تو ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ترقی یافتہ قوموں میں صرف ایک چیز مشترک تھی اور وہ یہ کہ ان ریاستوں میں عدل و انصاف کا معیار قائم تھا، قانون سب کے لئے ایک تھا چاہے وہ کسی وزیر کا بیٹا ہو یا کسی مزدور کا۔ اگر گناہ کیا ہے تو سزا بھی ایک جیسی ہی ملے گی! اگر ہم قرآن کی روشنی میں سبق سیکھنے کی کوشش کریں تو اس سے بڑی کوئی بات نہیں

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ عدل کی واضح تلقین فرمائی ہے۔

چند سبق آموز واقعات:

اسلامی تاریخ میں مثالی عدل وانصاف کے ایسے واقعات کم نہیں جن پر مسلمان آج بھی فخر کر سکتے ہیں۔عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے نام سے کون واقف نہیں جن کے دورِ خلافت کا ہر ورق سنہرے حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ان کے دور میں سابق خلیفہ ولید بن عبدالملک کے ایک شہزادے روح نے کچھ لوگوں کی دکانیں غصب کر رکھی تھیں۔شہزادے کا کہنا تھا کہ اسے یہ دکانیں جاگیر میں ملی ہیں۔دکان کے اصل مالکان نے شہادتوں اور ثبوتوں کے ساتھ عمر بن عبدالعزیز کے ہاں فریاد کی۔آپ نے شہزادے کو حکم دیا کہ دکانیں واپس کردو۔وہ بولا:''میرے پاس خلیفہ ولید بن عبدالملک کی تحریر موجود ہے۔'' آپ نے فرمایا:''جب دکانیں ان لوگوں کی ہیں اور اس کے ثبوت موجود ہیں تو خلیفہ ولید کی تحریر کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے۔''

مجلس برخاست ہوئی تو روح نے باہر جا کر ان فریادیوں کو دھمکانا شروع کر دیا۔انہوں نے عمر بن عبدالعزیز کو آگاہ کر دیا۔آپ نے اپنے پولیس افسر سے کہا:''شہزادے کے پاس جاؤ۔اگر وہ دکانیں مالکان کے حوالے کر دے تو ٹھیک، ورنہ اس کا سر کاٹ لاؤ۔''

شہزادے کو یہ اطلاع مل گئی۔اس دوران پولیس افسر بھی آن پہنچا اور تلوار کو میان سے ایک بالشت کھینچ کر کہا:''ان کی دکانوں کا قبضہ انہیں دے دو......ورنہ......''

روح کانپنے لگا اور دکانیں مالکان کے حوالے کر دیں۔

اسی طرح سلطان محمود غزنوی کو کون نہیں جانتا؟ وہ فقط فاتح نہیں عادل اور رعایا پرور بھی تھے۔ان کا عدل وانصاف تاریخ کی ایک زندہ حقیقت ہے۔رعایا کا حال معلوم کرنے کے لیے غزنی کے گلی کوچوں میں گشت کرنا سلطان کی عادت تھی بالخصوص اس وقت جب لوگ چین کی نیند سو رہے ہوں۔سلطان نے کبھی کسی مظلوم کی فریاد اَن سنی نہیں کی اور کبھی کسی کا ظلم برداشت نہیں کیا چاہے وہ کتنا ہی بڑا عہدے دار کیوں نہ ہو۔ایک بار کسی شخص نے سلطان سے فریاد کی اور کہا:''آپ کا ایک رشتہ دار رات کو زبرستی میرے گھر میں گھس جاتا ہے اور مجھے کوڑے مار مار کر گھر سے نکال دیتا ہے اور خواتین کو بے آبرو کرتا ہے۔''

سلطان کا یہ سن کر بے چینی سے برا حال ہو گیا۔اس شخص کو کہا:''جب بھی وہ بد بخت تمہارے گھر میں گھسے تم محل کی اس دیوار کے پاس آ کر مجھے آواز دے دینا۔''

تیسری شب سلطان کو اس کی پکار سنائی دی ”اے بادشاہ! سلطان نے جواب میں آواز لگائی ”میں آرہا ہوں۔ سلطان نے اس کے گھر پہنچ کر اپنی آنکھوں سے افسر کو قابلِ اعتراض حالت میں دیکھا، وہ سلطان ہی کا بھانجا تھا، کمرے میں شمع جل رہی تھی۔ سلطان نے اسے بجھا دیا اور تلوار نکال کر ایک ہی وار میں اپنے بھانجے کا سر قلم کر دیا۔ پھر فریادی سے کہا: ”اللہ کے بندے! اگر ایک گھونٹ پانی ہو تو فوراً مجھے پلا! اس نے پیالے میں پانی حاضر کیا، سلطان پانی پی کر رخصت ہونے لگے تو فریادی نے دامن پکڑ کر کہا: ”آپ کو اللہ کی قسم! یہ تو بتا دیجیے کہ شمع گل کرنے اور سر قلم کرنے کے فوراً بعد پانی منگوانے میں کیا بھید ہے؟“

سلطان نے کہا: ”شمع اس لیے بجھائی تھی کہ کہیں مجھے اپنے بھانجے پر رحم نہ آجائے، پانی اس لیے مانگا کہ تمہاری فریاد سن کر میں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ جب تک تمہیں انصاف نہ دلا دوں تب تک نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔“

انصاف کا ایک اور واقعہ ملاحظہ کیجیے! مصر کے گورنر حضرت عمروؓ بن العاص جو مصر کے فاتح بھی تھے، ان کی گورنری کے زمانہ میں ایک مرتبہ گھوڑ دوڑ ہوئی، اس ریس میں ان کا بیٹا بھی شریک تھا، اس کے گھوڑے سے آگے ایک قبطی کا گھوڑا بڑھنے لگا تو گورنر زادے نے اس قبطی کو ایک طمانچہ مارا، یہ کہتے ہوئے کہ دیکھ! شریف زادے کا تھپڑ ایسا ہوتا ہے، وہ معمولی شہری تھپڑ کھا کر سیدھا مدینہ پہنچا اور اس نے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ سے شکایت کی، وہاں سے طلبی ہوئی کہ گورنر عمرو بن العاص مع اپنے بیٹے کے حاضر ہوں، دونوں پہنچے، ایک دربار سا لگا، اور حضرت عمرؓ نے سب کے سامنے اس قبطی کو کہا کہ ایک تھپڑ اسی طرح تم گورنر زادے کو میرے سامنے مارو جیسا اس نے تمھیں مارا تھا، اس قبطی نے تھپڑ مارا، اس کے بعد جو الفاظ حضرت عمرؓ نے کہے اسے تاریخ صفحات نے محفوظ کر لیا، انھوں نے کہا کہ ”تم نے کب سے لوگوں کو اپنا غلام بنالیا، حالانکہ یہ اپنے ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے تھے۔“

ایک واقعہ ہمارے ملک ہندوستان کا بھی ملاحظہ کیجیے کہ کاندھلہ یا مظفر نگر کے کسی مقام پر ایک زمین کے سلسلے میں دو دعویدار پیدا ہو گئے، مسلمان کہتے تھے یہ مسجد ہے، ہندو بھائی کہتے تھے یہ مٹھ ہے، مقدمہ جج کے پاس گیا، جج نے دونوں طرف کی شہادتیں سنیں، دونوں فریق بڑے ماہر وکیلوں کو لائے ہوئے تھے، جج انگریز تھا، اور شاید شریف اور باہمت بھی، اس نے کہا کہ کیا ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی ایسا آدمی بھی ہے جس پر دونوں فریق کو اتفاق ہو، ہندو بھائیوں نے کہا: ہاں ایک مسلمان مولوی صاحب محمود بخش ہیں (یہ بزرگ حضرت مولانا الیاسؒ بانی تبلیغی جماعت کے خاندان سے تھے جن کی تبلیغی دعوت آج پوری دنیا میں عام ہے) ہندوؤں

نے کہا کہ اگر اس بستی میں کوئی سچ بول سکتا ہے تو وہ مولوی محمود بخش ہیں، انگریز جج کو تعجب ہوا کہ ہندو ایک مسلمان مولوی کا نام لے رہے ہیں، اور ان کی گواہی پر فیصلہ کو تیار ہیں، چپراسی بھیج کر مولوی صاحب کو بلوایا گیا، انھوں نے جواب دیا کہ میں نے آج تک انگریز کا منھ نہیں دیکھا، اور آئندہ بھی نہیں دیکھوں گا، انگریز جج بھی عجیب تھا، اس نے کہلایا کہ ان سے کہہ دینا کہ میرا منھ نہ دیکھیں، منھ پھیر کر کھڑے ہوجائیں، مگر بات کہہ دیں! چپراسی دوبارہ پیام لے کر گیا، مولوی محمود بخش آئے اور واقعی انگریز جج کی طرف پشت کر کے کھڑے ہو گئے اور اپنے کھرے لہجے میں کہا! پوچھ کیا پوچھے ہے؟ انگریز جج نے کہا کہ فلاں جگہ کے بارے میں ہندو اور مسلمان دو فریق ہیں، ایک اسے مٹھ کہتا ہے دوسرا مسجد، آپ بتلائیں کہ یہ جگہ کس کی ہے؟ مولوی محمود بخش نے کہا کہ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ مٹھ تھا، یہ مسجد نہیں تھی، مسلمان غلط کہتے ہیں۔ اب جب انہوں نے یہ کہا تو انگریز نے اگلی بات پوچھی کہ کیا اب ہندو لوگ اس کے اوپر مندر تعمیر کر سکتے ہیں مفتی صاحب نے فرمایا جب ملکیت ان کی ہے تو وہ جو چاہیں کریں چاہے گھر بنائیں یا مندر بنائیں یہ ان کا اختیار ہے چنانچہ فیصلہ دے دیا گیا کہ زمین ہندوؤں کی ہے۔ مگر انگریز نے فیصلے میں ایک عجیب بات لکھی کہ: ''آج اس مقدمہ میں مسلمان ہار گئے مگر اسلام جیت گیا''

جب انگریز نے یہ بات کہی تو اس وقت ہندوؤں نے کہا کہ آپ نے تو فیصلہ دے دیا، اب ہماری بات بھی سن لیجئے ہم اسی وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے ہیں اور آج یہ اعلان کرتے ہیں کہ اب ہم اپنے ہاتھوں سے یہاں مسجد بنائیں گے۔ غرض یہ عبرت وموعظت پر مبنی چند واقعات ہیں جو ہمیں درس انصاف دے رہے ہیں اور بہ بانگ دہل یہ کہہ رہے ہیں

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں
ناؤ کاغذ کی سدا چلتی نہیں

راہِ حق قسط (۳)

مولانا فاروق صاحب مفتاحی رحمہ اللہ

گنگا سے زمزم تک

حضرت مولانا محمد فاروق صاحب مفتاحی کشٹاپوری رحمہ اللہ ریاست تلنگانہ کے مؤقر عالمِ دین، دارالعلوم حیدرآباد اور مدرسہ فیض القرآن کشٹاپور کے مایہ ناز مدرس اور منتظم تھے، اُن کا خاندانی پس منظر اور اس کی تفصیلات خود حضرت مولانا رحمہ اللہ نے املا کروادی تھی، مولانا عرفات اعجاز اعظمی صاحب نے اس کو مرتب اور مہذب کردیا ہے، بڑی دلچسپ روداد اور عبرت خیز داستان ہے، افادہ کے لئے قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ از مرتب

جب جلسہ کا دن آ گیا تو خواجہ صاحب اور والد صاحب نے تانڈور کا سفر کیا، جلسہ میں شریک ہونے کا والد صاحب کے دل میں ایک ولولہ اور جذبہ تھا، اچھی باتیں سننے کا، بھلے لوگوں سے ملاقات کرنے کا، اور پاکیزہ ماحول میں بیٹھنے کا شوق ان کو بیتاب کئے ہوئے تھا، چنانچہ جلسہ میں ایسی جگہ بیٹھے کہ خطاب کے دوران خواہی نہ خواہی علماء کرام کی نگاہیں ان پر پڑیں، حضرت مولانا عاقل صاحب آج بھی کبھی کبھی فرماتے ہیں کہ بھائی تمہارے والد کو جب میں نے پہلی مرتبہ جلسہ میں دیکھا تھا تو دیکھتا ہی رہ گیا کہ یا خدا! آگے بیٹھا ہوا یہ دیوہیکل آدمی کون شخص ہے؟ خدا کی طرف سے ہدایت کا فیصلہ ہو چکا تھا اللہ نے اس جلسہ میں حضرت کی زبان سے ایسی برمحل اور موزوں تقریر کرائی کہ بس، جس عنوان پر حضرت نے تقریر کی تھی ایک مبتدی کو اسی عنوان پر یقین کی ضرورت ہوتی ہے، عنوان تھا توحید، اور خدا کی یکتائی، آپ لوگوں کو تو معلوم ہی ہے کہ حضرت کی زبان کتنی شیریں اور تقریر رواں دواں اور عام فہم ہوتی ہے، از دل خیزد بر دل ریزد کا واقعی مصداق، والد صاحب کے دل و دماغ میں ایک ایک بات اترتی چلی گئی، جو ارادہ والد صاحب لے کر آئے تھے اس میں تقریر کے بعد مزید پختگی آ گئی، تقریر نے جلتے پر تیل کا کام کیا والد صاحب توحید کا مضمون سن کر تڑپ تڑپ گئے۔

جلسے کے اختتام پر خواجہ صاحب اور والد صاحب حضرت سے ملے، پوری صورت حال عرض کی، حضرت نے کہا کہ بھائی میں یہاں سے کڈنگل جا رہا ہوں اگر ہو سکے تو صبح وہیں آ جانا، تانڈور سے کڈنگل کا فاصلہ تقریبا

بیس کلومیٹر ہے، حضرت مولانا کے بہنوئی جناب صدیق صاحب جو کہ انجینئر ہیں ان کی پوسٹنگ وہیں ہوئی تھی، مولانا اپنی بہن اور بہنوئی سے ملاقات اور وہیں آرام کرنے کی غرض سے جارہے تھے، چنانچہ صبح والد صاحب مع خواجہ صاحب کنڈنگل پہونچے، دروازہ پر دستک دی، فوراً حضرت نے دروازہ کھولا، سامنے والد صاحب کو دیکھا تو فوراً پہچان لیا، اندر لے گئے، تفصیلی گفتگو فرمائی، عرض مدعا کے بعد عجیب دل موہ لینے والے انداز میں والد صاحب سے پوچھا کہ بھائی آپ اکیلے آئیں ہیں؟ کیا آپ کی شادی نہیں ہوئی؟ والد صاحب عرض کیا کہ شادی بھی ہوگئی اور بچے بھی ہیں، پھر اسی ادائے دلبری سے فرمایا تو پھر آپ اکیلے کلمہ پڑھنے کے لئے کیوں آئے ہیں؟ کیا بیوی بچوں کو جنت میں لے جانا نہیں چاہتے؟ والد صاحب اس جملے پر تڑپ اٹھے، کہا حضرت کس کی خواہش نہیں ہوگی کہ وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ جنت میں جائے، تو پھر آپ اکیلے ہی کلمہ پڑھنے کے لئے کیوں آئے ہیں؟ ان کو بھی ساتھ لے کر آتے، والد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت معلوم نہیں وہ لوگ اس کے لئے تیار ہوں گے یا نہیں، اسی خوف سے میں نے ان سے اس سلسلہ میں کوئی بات نہیں کی، حضرت نے فرمایا نہیں بھائی ہمت کرو، اللہ کا نام لے کر جاؤ، بیوی کو سمجھاؤ، اگر بیوی مان گئی تو ان شاء اللہ بچے بھی تیار ہوجائیں گے، حضرت کی اس بات سے والد صاحب کے دل کو بڑا اطمینان ہوا، دل کی ایک پھانس نکل گئی، اور حوصلہ بڑھا، ایک نئے جذبے اور حوصلے کے ساتھ گھر واپس لوٹے۔

چونکہ محلہ اور گاؤں میں یہ بات مشہور ہوچکی تھی کہ لکشمیا اپنا آبائی دھرم چھوڑ کر اسلام قبول کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اس لئے میرے نانیہال والے اور دیگر رشتہ دار والدہ کو اکساتے رہتے تھے کہ اب وہ واپس آنے والے نہیں ہیں، انہوں نے دوسرا مذہب اختیار کرلیا ہے، دیکھو داڑھی کیسے چھوڑ رکھی ہے، اور کیسی کیسی عجیب و غریب حرکتیں کرتا رہتا ہے، ان سب کے جواب میں والدہ بس ایک بات کہتی تھیں، وہ کچھ بھی کریں مجھے اس سے کچھ بھی لینا دینا نہیں ہے، بس میں اتنا جانتی ہوں کہ وہ میرے شوہر ہیں وہ جو بھی فیصلہ کریں گے مجھے منظور ہوگا، وہ کوئی پاگل یا ناسمجھ نہیں ہیں، سارا خاندان، ساری بستی، اور سارے علاقے کے لوگ ان سے مشورہ لیتے ہیں اب اگر انہوں نے ایک قدم آپ لوگوں کی مرضی کے خلاف اٹھایا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں بھی ان کی مخالفت میں آپ لوگوں کا ساتھ دوں گی، میں کون ہوتی ہوں ان کو اس چیز سے روکنے والی اور منع کرنے والی، ان کی جو مرضی وہ کریں مجھے اس میں کوئی دخل نہیں دینا ہے، خاندان والے یا دیگر لوگ جب بھی اس سلسلہ میں بات کرتے تو والدہ یہی کہہ کر خاموش ہوجاتیں۔

والد صاحب جب گھر پہونچے اور والدہ کے سامنے یہ بات رکھی کہ دیکھو میں مسلمان ہونے جارہا ہوں

اس میں تم میرا ساتھ دوگی یا نہیں؟ تو والدہ نے ایک سوال کیا کہ اگر مسلمان ہونے میں ہم نے آپ کا ساتھ نہیں دیا تو آپ کیسے رہیں گے؟ اور کہاں رہیں گے؟ کیا آپ تنہا رہیں گے؟ والد صاحب نے کہا کہ تنہا کیوں رہیں گے، اگر تم نے ساتھ نہیں دیا تو اسلام لانے کے بعد دوسری شادی کرلوں گا، اب تک جو کچھ کمایا اور بنایا ہے سب تمہارا ہوگا، اور آج کے بعد جو ہوگا وہ دوسری والی اور اس کی اولاد کا ہوگا، بہر کیف یہ اللہ کی طرف سے ہدایت سمجھئے کہ والدہ کا دل والد صاحب سے علیحدگی کے خیال کو برداشت نہیں کرپایا انہوں نے بلا تامل کہا کہ آپ میرے شوہر اور میرے بڑے ہیں بلکہ سب کچھ میرے آپ ہی ہیں، آپ کو چھوڑ کر میں کیسے رہوں گی، آپ جدھر بھی جائیں مجھے ساتھ لیکر چلیں، میں ہر قدم پر آپ کے ساتھ رہوں گی، والدہ کی اس بات پر والد صاحب کی ایک بڑی الجھن دور ہوگئی اور قلبی سکون ملا۔

دوسرے دن والد، والدہ، بڑے بھائی، میں، ایک بہن، اور چھوٹے بھائی جو اس وقت گود میں تھے کشٹاپور سے بذریعہ بس حیدرآباد پنجشنبہ پہونچے جہاں حضرت مولانا عاقل صاحب کا مکان تھا اور ان کے دست حق پرست پر پورے قافلہ والوں نے کلمے پڑھا اور دامن اسلام سے وابستہ ہوگئے۔ **الحمد للہ حمدا کثیرا علی ذالك**

زمانہ کفر میں والد صاحب کا نام لکشمیا تھا جیسا کہ سابق میں بار بار گزرا ہے ان کا نام حضرت نے عمر رکھا، والدہ کا نام عائشہ بیگم جن کا نام پایماّں تھا، بڑے بھائی ہری شنکر سے صدیق ہوگئے، میرا نام جے شنکر سے فاروق ہوگیا، میری بہن جو اب اللہ کو پیاری ہوگئیں ہیں ان کا نام شوشیلا سے رابعہ سلطانہ ہوگیا، اور چھوٹے بھائی جو اس وقت گود میں تھے وجے بھاسکر سے ابراہیم ہوگئے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت نے دودن ہم کو اپنے گھر ہی میں رکھا، اور ہماری ہر طرح سے دلجوئی کی، تھوڑی دیر کے لئے بھی ایسا محسوس نہیں ہونے دیا کہ مولانا ہمارے لئے نئے یا اجنبی ہیں، ابھی گھر میں داخل ہوئے آدھ گھنٹہ یا ایک گھنٹہ ہوا تھا کہ اپنے حسن اخلاق اور محبت سے والد اور والدہ کو اپنے سے بے تکلف کرلیا، ہم لوگ چھوٹے تھے ہم لوگوں سے وہ شفقت اور لاڈ پیار کا معاملہ کیا کہ بس انتہا کردی، ہم بچے بھی ان سے بے تکلف ہوگئے، دودن اپنے یہاں مہمان رکھ کر ضروری تعلیمات دیں اس کے بعد رخصت کیا۔

(جاری۔۔۔۔۔۔)

نقوشِ رفتگاں

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

آہ! حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندویؒ

اثر خامہ: مولانا سیّد آصِف ندوی*

آج صبح جب صدیق محترم مولانا محمد صدیق ندوی نے اس اندوہناک خبر صاعقہ اثر کی اطلاع دی تو مجھے اپنے کانوں پر یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ میرے استاد محترم، عالم اسلام کی بزرگ ترین علمی و روحانی شخصیت، خانوادۂ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے گُل سرسبد، عربی زبان وادب کے جری شہسوار و ماہر ترین نقاد، صحافی وادیب، متعدد عربی واردو کتابوں کے بلند پایہ مصنف، ماہنامہ (الرائد) کے قابل فخر و مایہ ناز مدیر، مجلہ البعث الاسلامی کے شریک ادارت، جنرل سکریٹری رابطہ ادب اسلامی، برصغیر کی نہایت ہی ممتاز و بافیض دینی درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیمات، بیدار مغز، ہوش مند، مدبر و مفکر، عالم دین اور مرشد الأمت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کے برادر خورد و خلیفۂ مجاز حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی نے آج بروز بدھ مؤرخہ ۹ جمادی الأول ۱۴۴۰ھ ۱۶ رجنوری ۲۰۱۹ کو نماز فجر سے کچھ قبل اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کردی اور ہمیں داغ مفارقت دے کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون، ان للہ ما اخذ و لہ ما اعطی و کل شیء عندہ باجل مسمی ۔

۱۹۹۵ء کا سال ہے، اور میں بہت خوش ہوں کہ میں عالم اسلام کی انتہائی بافیض اور عظیم ترین دینی درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلے کے اہلیتی امتحان میں کامیاب ہو چکا ہوں، آخر خوشی کیوں کر نہ ہوتی کہ داخلہ ندوۃ العلماء میں ہوا ہے اور جن مؤقر ترین اساتذۂ ندوہ کا نام ندوہ پہنچنے سے پہلے ہی سن رکھا تھا، اور جن کی محبت و عظمت میرے دل میں محبت و عظمت کے شعور وادراک سے پہلے ہی جاگزیں ہو چکی تھیں، آج مجھے ان ہی محبوب ترین شخصیات کی زیارت کرنے اور ان میں سے بعض کے سامنے زانوئے تلمذ طئے کرنے کی سعادت نصیب ہونے جارہی تھی، مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ، حضرت

*صدر جمعیت علماء قدیم شہر ناندیڑ

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن آعظمی ندوی، حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی وغیرھم۔ دارالعلوم میں تعلیم کا پہلا دن ہے، تفسیر وحدیث کے ابتدائی دو گھنٹوں کے بعد تیسرا گھنٹہ ادب عربی کا ہے جو حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کے ذمہ ہے، جیسے ہی تیسرے گھنٹے کی گھنٹی بجی، حضرت مولانا تشریف لے آئے، انتہائی سادہ، متواضع، مجسم شرافت، آپ کی پُرنور صورت، متواضع چال ڈھال اور متشرع وضع قطع کو دیکھتے ہی دل آپ کی طرف کھنچتا چلا گیا، بہت ہی آہستہ اور دھیمی آواز میں کانوں میں رس گھولتے رہے اور میرا دل حضرت کی محبت وعظمت سے بھرتا چلا گیا۔ اور آج تک بھی الحمدللہ اس عظمت ومحبت میں کوئی فرق نہیں آپایا۔

حضرت مولانا واضح رشید ندوی صاحب نہایت ہی خاموش طبع انسان تھے، باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عربی اور اردو دونوں ہی زبانوں پر یکساں قدرت ومہارت تامہ عطا فرمائی تھی، پھر بھی آپ کی زبان وقلم سے کبھی کسی کے خلاف ہرزہ سرائی، یا خامہ فرسائی اور تیز وتند لب ولہجہ میں کسی پر تبصرہ وتنقید تو درکنار کوئی خفیف بات یا ہلکا سا جملہ بھی نہیں نکلا کرتا تھا۔ آپ انتہائی سادہ، متواضع، خلیق، خاموش مزاج، کم گو، کم آمیز، عابد وزاہد اور متقی انسان تھے، لیکن نرے زاہد خشک بھی نہیں تھے کہ کبھی کسی سے خندہ پیشانی سے پیش ہی نہ آئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ ملنسار طبیعت، صلح جوئی اور بے طمعی عطا فرمائی تھی، آپ ہر ایک کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملا کرتے تھے، جو ایک مرتبہ آپ سے مل لیتا وہ تادم حیات آپ کا گرویدہ ہوجاتا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس وقت نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام میں ایک سے بڑھ کر ایک بزرگ، عالم دین، خادم قوم وملت، مدبر و مفکر اور صاحب فکر ونظر قلمکار، صحافی وادیب ایسے ایسے موجود ہیں جو سب ہی ہمارے دلوں کے سرور اور آنکھوں کے نور ہیں لیکن حضرت مولانا کی شخصیت ان تمام میں سب سے نرالی، سب سے انوکھی اور اپنی مثال آپ تھی۔

عالم میں تم سے لاکھ سہی، تم مگر کہاں
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

حضرت مولانا کی ولادت اپنے آبائی وطن رائے بریلی میں حضرت سید رشید احمد حسنیؒ جیسی بے حد قابل احترام شخصیت کے گھرانے میں ہوئی، جو گھرانہ ہر اعتبار سے ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا مصداق تھا، جہاں ہمہ وقت اللہ اللہ اور الا اللہ کی صدائے دل نواز کی بازگشت ہوا کرتی تھی۔ آپ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے حقیقی بھانجے اور مرشد الأمت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے خوردسال برادر حقیقی تھے، آپ کی والدہ ہمشیرۂ مفکر اسلام محترمہ سیدہ امۃ العزیز صاحبہ نہایت ہی عابدہ وزاہدہ اور ولی صفت

خاتون تھیں، مفکر اسلامؒ نے اپنی شاہکار تصنیف پرانے چراغ میں تحریر فرمایا ہے کہ ’’مرحومہ کا بیعت واصلاح کا تعلق حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سہارنپور سے تھا، ان کے مشفقانہ خطوط جن میں کہیں کہیں ’’ہمشیرہ صاحبہ‘‘ سے خطاب ہے اکثر محفوظ ہیں‘‘۔

حضرت مولانا پر اللہ تعالیٰ کا یہ عظیم انعام تھا کہ اس نے انہیں فاضل یگانہ، نابغۂ عصر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تربیت وصحبت اور رہنمائی ورہبری نصیب فرمائی، چنانچہ آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے ماموں جان مفکر اسلام ہی کے زیر نگرانی خاندانی مکتب مدرسہ الٰہیہ، تکیہ کلاں، رائے بریلی میں ہوئی، اس کے بعد آپ کو اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے عالم اسلام میں علوم اسلامی اور تعلیم دین کے عظیم ترین مرکز دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل کیا گیا جہاں سے آپ نے ۱۹۵۱ء میں سند فراغت حاصل کی۔ حضرت مولانا نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اپنے دور طالبعلمی کے دوران جن اساتذہ کرام کا جلوۂ جہاں آرا دیکھا اور جن کے سامنے زانوئے تلمذ طئے کیا ان میں سرفہرست آپ کے ماموں جان مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ حضرت مولانا محمد ناظم ندوی، حضرت مولانا عبدالحفیظ بلیاوی نور اللہ مراقدہم جیسے ماہرین زبان وادب اساطین علم تھے جنہوں نے آپ کے اندر عربی زبان وادب کی محبت اور اس میں خامہ فرسائی کا ذوق پیدا کیا۔ آپ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں علوم نبوی اور معارف واسرار ربانی کے حصول اور درسیات کی تحصیل ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ عصری علوم کے بحر ذخّار میں بھی غوطہ زنی کی، چنانچہ آپ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ سے انگریزی میں بی اے کیا۔

حضرت مولانا نے ندوہ میں تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ۱۹۵۳ء سے ۱۹۷۳ء تک تقریباً بیس سال آل انڈیا ریڈیو دہلی میں بحیثیت مترجم واناؤنسر خدمت انجام دی۔ اس کے بعد سے مستقل تادم حیات تقریباً نصف صدی دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ عربی زبان وادب میں آپ کی قدرت ومہارت کے پیش نظر آپ کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں کلیۃ اللغۃ العربیۃ و آدابھا کا عمید مقرر کیا گیا۔ ۲۰۰۶ء میں استاد محترم حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی نور اللہ مرقدہ (سابق معتمد تعلیمات دارالعلوم ندوۃ العلماء) کی وفات کے بعد سے آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں معتمد تعلیمات کے نہایت ہی اہم ترین اور ذمہ دارانہ منصب پر فائز تھے۔ آپ ندوۃ العلماء میں تدریسی خدمات کے ساتھ ہی ساتھ مدرسہ فلاح المسلمین، رائے بریلی کے ناظم اعلیٰ اور دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی کے نائب صدر بھی تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو بڑا حسّاس دل دیا تھا، آل انڈیا ریڈیو دہلی میں بحیثیت مترجم خدمات انجام

دینے کے دوران آپ کو انگریزی زبان وادب اوراس کے ذریعہ مغربی ممالک کی بلاد اسلامیہ سے متعلق مکروہ سیاست، متعصّبانہ ذہنیت اور استعماری عزائم کو پڑھنے اور سمجھنے کا خوب موقعہ ملا جس نے آپ کے اندر مغربی اورلادینی افکار پر گہری نظراور وسعت فکر پیدا کردی، اور حالات حاضرہ پراس گہری نظراور گردوپیش سے اس مکمل آگہی نے آپ کو بے چین اور آپ کے قلم گوہر بار کو مضطرب کردیا، چنانچہ آپ اپنے اس درد وکڑھن اور بے چینی واضطراب کو گذشتہ نصف صدی کے دوران تقریباً ہر ماہ الرائد اور البعث الاسلامی کے اوراق پر بکھیرتے رہے اوراپنے مخصوص انداز اور اسلوب نگارش میں مغربی ممالک کو للکارتے اور بلاد اسلامیہ کو جھنجوڑتے رہے۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا نے عربی وارد و دونوں ہی زبانوں میں متعدد کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہے اور وہ تمام ہی تصانیف اس قدر مقبول ہوئیں کہ ہر کتاب کے تقریباً متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ چند اردو کتابوں کا تذکرہ کردینا نامناسب نہیں ہوگا:

۱۔محسن انسانیت ﷺ: اس کتاب میں اسلام دشمن عناصر کی جانب سے اسلام اور اسلامی تعلیمات کے خلاف پیدا کردہ اس غلط فہمی بلکہ الزام کہ اسلام اپنی بہترین تعلیمات کی بنیاد پر نہیں بلکہ تلوار اور نیزہ کے زور پر پھیلا ہے کا جواب انتہائی خوبصورت طریقہ سے حقائق کو واضح کر کے اور سیرت نبوی ﷺ کے روشن وتابناک پہلوؤں کو اجاگر کر کے دیا گیا ہے، اور سیرت طیبہ سے متعلق پیدا شدہ غلط فہمیوں کو ختم کرنے کی کامیاب ترین کوشش کی گئی ہے۔

۲۔مسئلہ فلسطین، سامراج اور عالم اسلام: اس کتابچے میں قضیۂ فلسطین کی اہمیت ونوعیت، سامراجی ممالک کی اس میں دلچسپی کی وجوہات، یہودیوں کے اس سے متعلق ناپاک عزائم، اسرائیل و عالم عرب کی اصل صورت حال جیسے بہت ہی اہم اور حساس ونازک مسائل کو پیش کیا گیا ہے۔

۳۔سلطان ٹیپو شہید، ایک تاریخ ساز قائد شخصیت: اس کتاب میں سلطان ٹیپو شہیدؒ کے حالاتِ زندگی، ان کے طرزِ حکمرانی اور ملی وقومی قیادت اور ناقابلِ فراموش کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۴۔ نظام تعلیم وتربیت، اندیشے تقاضے اور حل: یہ کتاب دراصل تعلیم وتربیت سے متعلق حضرت مولانا کے لکھے ہوئے مختلف مضامین پر مشتمل ہے جس میں آپ نے پوری دیانت داری کے ساتھ قدیم وجدید دونوں ہی نظام تعلیم کے حسن و قبح کی نہ صرف نشاندہی کی ہے بلکہ انہیں مزید بہتر اور مفید بنانے کے مشورے بھی دیئے ہے۔۔۔۔۔ (بقیہ صفحہ: ۴۳ پر)

فقہ وفتاویٰ

پاکی ناپاکی سے متعلق چند احکام

از: مولانا مفتی ندیم الدین قاسمی*

وضو کر کے چہرہ پونچھنا

سوال: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وضو کر کے چہرہ نہیں پونچھنا چاہیئے، کیوں کہ وضو کے بعد چہرہ پر سے جتنا پانی جائے نماز پر گرتا ہے اُتنے ہی گناہ معاف ہوتے ہیں تو کیا یہ بات صحیح ہے؟

جواب: وضو کر کے رومال یا تولیہ سے چہرہ پونچھنے میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے خود نبی ﷺ سے بھی بعض مواقع پر پونچھنا ثابت ہے۔ (سنن ترمذی: ۱/۱۸) اور یہ کہنا کہ وضو کے بعد جتنا پانی جائے نماز پر گرے گا اتنے ہی گناہ معاف ہوجائیں گے یہ بے دلیل بات ہے، کیوں کہ گناہوں کی معافی کے لئے وضو کے پانی کا جائے نماز پر گرنا شرط نہیں بلکہ وضو کے بعد جو بھی پانی جہاں گرے گا اس سے صغیرہ گناہ معاف ہوجائیں گے۔

(کتاب النوازل: ۳/۱۰۲)

کپڑے پر منی لگنا

سوال: اگر کسی کپڑے پر منی لگ جائے تو صرف وہ حصہ جہاں منی لگی ہے دھونے سے کپڑا پاک ہوجائے گا یا پھر جو کپڑے بدن پر ہوں اُن سب کو دھونا ضروری ہے؟

جواب: صرف جس حصہ میں منی لگی ہے اس حصہ کو دھونے سے کپڑا پاک ہوجائے گا، پورے کپڑے کو دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔ (کتاب النوازل: ۳/۴۳)

مچھر، کھٹمل، جوں وغیرہ کا خون کپڑے پر لگ جانا

سوال: گرمی کے موسم میں مچھر، جوں، کھٹمل کی کثرت ہوتی ہے اور یہ ہاتھ پیر سے دب جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا خون کپڑے پر لگ جاتا ہے تو کیا اِس خون سے کپڑا ناپاک ہوجائے گا؟ اور کیا اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں؟

---

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

جواب: مچھر، کھٹمل، جوں کے خون سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا، اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔
(کتاب النوازل: ۵۶/۳)

غسل جنابت میں صابن کا استعمال

سوال: اگر کوئی شخص بدن پر ناپاکی کی حالت میں صابن وغیرہ سے غسل کرتا ہے تو اس کا غسل ہوگا یا نہیں؟

جواب: غسل جنابت میں صابن وغیرہ کا استعمال نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے تاکہ اچھی طرح نظافت حاصل ہوجائے۔ (کتاب النوازل: ۱۵۱/۳)

بہ حالتِ جنابت دعائیں پڑھنا

سوال: جنابت کی حالت میں قرآن کریم کی آیات، درود، اور دوسری دعاؤں کے پڑھنے کی اجازت ہے یانہیں؟ اذان کا جواب دینا، سونے سے پہلے کی اور اُٹھنے کے بعد اور کھانے وغیرہ کی دعاؤں کا کیا حکم ہے؟

جواب: حالتِ جناب میں قرآن کی تلاوت جائز نہیں، البتہ ذکر، دعا والی قرآنی آیات بطورِ ذکر و دعا پڑھی جاسکتی ہیں، اِسی طرح ماثور دعائیں جن کا پڑھنا مختلف اوقات میں حدیث سے ثابت ہے انہیں بھی حالتِ جنابت میں پڑھنا درست ہے اور اذان کا جواب دینا بھی درست ہے۔ (کتاب النوازل: ۱۵۵/۳)

بہ حالتِ حیض دعائیں پڑھنا

سوال: حالتِ حیض میں عورت کن عبادات کو ادا کرسکتی ہے اور کیا اُن عبادتوں کے لئے وضو شرط ہے؟

جواب: حالتِ حیض میں مسجد جانا، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، قرآن کریم چھونا، اور پڑھنا طواف کرنا وغیرہ ممنوع (درست نہیں) ہے، البتہ ذکر و اذکار اور تسبیح پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ (کتاب النوازل: ۱۸۲/۳)

مدرسے یا مسجد کے پانی کو ضرورت سے زائد استعمال کرنا

سوال: اگر کوئی مدرسے یا مسجد کے پانی سے اعضاء وضو کو تین مرتبہ سے زائد دھوئے تو کیا اتنا دھونا حرام ہے؟

جواب: اگر وقف کے پانی سے اعضاء وضو کو بلاضرورت تین مرتبہ سے زائد دھوئے تو ناجائز ہے بشرطیکہ وہ ماء جاری نہ ہو مثلاً بڑے حوض کا پانی نہ ہو بلکہ نل یا ٹنکی وغیرہ کا ہو۔ (کتاب النوازل: ۹۱/۳)

خبرنامہ

عالمِ اسلام کی خبریں

✷ شام میں 2018 کے دوران ۲۰ ؍ہزار افراد ہلاک۔ (روزنامہ منصف، ۲؍جنوری ۱۹ء)

✷ 2019 میں بھی قطر کا بائیکاٹ جاری رہے گا: متحدہ عرب امارت (روزنامہ اعتماد، ۳؍جنوری ۱۹ء)

✷ امریکہ، اسرائیل اور اخوان فلسطینیوں کے لئے مسئلہ: محمود عباس (روزنامہ اعتماد، ۷؍جنوری ۱۹ء)

✷ سعودی خواتین کو موبائل کے ذریعہ طلاق سے آگاہ کرنے کا قانون نافذ (روزنامہ اعتماد، ۷؍جنوری ۱۹ء)

✷ امریکہ ترکی کو معاشی طور پر تباہ کردے گا۔ (روزنامہ اعتماد، ۱۵؍جنوری ۱۹ء)

✷ شہریت کے حصول کے لئے صنفی تفریق کے بغیر مصافحہ لازم، ڈنمارک۔ (نیوز پورٹل ۱۸؍جنوری ۱۹ء)

✷ مراکش میں والدین نے بیٹی کو 20 سال تک اصطبل میں بند کردیا۔ (روزنامہ اعتماد، ۱۹؍جنوری ۱۹ء)

✷ دیوارِ براق کی مرمت کا اسرائیلی اقدام قبلہ اول کے امور میں مداخلت: اردن (روزنامہ اعتماد، ۲۰؍جنوری ۱۹ء)

✷ امریکہ کے مسلم علاقے، اسلام برگ پر حملہ کا منصوبہ ناکام۔ (روزنامہ اعتماد، ۲۴؍جنوری ۱۹ء)

✷ اسرئیل نے فلسطین کی نیوکلیر اسلحہ کمیشن میں شمولیت ناکام بنادی۔ (روزنامہ اعتماد، ۲۴؍جنوری ۱۹ء)

✷ اسرائیل کی طرف سے غزہ کو امداد اس شرط پر جاری کرنے کی یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ غزہ کی سرحد پر کسی قسم کا کوئی پُرتشدد احتجاج نہیں ہوگا مگر حماس نے اسرائیل کی یہ شرط مسترد کردی ہے۔

(روزنامہ منصف، ۲۶؍جنوری ۱۹ء)

✷ اسرائیل نے القدس میں میٹرو ٹرین منصوبہ کو منظوری دی، عرب لیگ (روزنامہ اعتماد، ۳۱؍جنوری ۱۹ء)

✷ فلپائن میں مسجد پر گرینیڈ حملہ، ۲؍معلمِ دینیات جاں بحق۔ (روزنامہ منصف، ۳۱؍جنوری ۱۹ء)

✷ سعودی عرب میں بدعنوانی میں ملوث ہونے کے سبب 126 سرکاری ملازمین معطل۔

(روزنامہ منصف، ۳۱؍جنوری ۱۹ء)